ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

MARCH , APRIL - 1998

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نَو

مارچ، اپریل ۱۹۸۸ء

اجلاس نمبر

مدیر مسئول ——— نور محمد فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ماہنامہ مجلہ **حیاتِ نو** بلریا گنج

جلد نمبر ۳ ——— شمارہ نمبر ۳-۴

رجب، شعبان ۱۴۰۸ھ

مارچ، اپریل ۱۹۸۸ء

• سالانہ زر تعاون	۳۰ روپئے
• خصوصی تعاون	۱۰۰ روپئے
• غیر ممالک سے	۱۵ امریکی ڈالر
• فی شمارہ	۳ روپئے
• اس شمارے کی قیمت	۶ روپئے

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ مجلہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ، یوپی ۲۷۶۱۲۱

طابع وناشر نور محمد فلاحی نے افضل نعیمی پریس برئے جالب پریس دلدھوٹ سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ سے شائع کیا

خطاط: رفیق احمد، شاہ پور، کنڈھرا پور، اعظم گڑھ

نقوشِ حیاتِ نو

اداریہ

موت ہے وہ زندگی جس میں نہ ہو انقلاب	ولی اللہ سعیدی فلاحی	۵

بحث ونظر

حج بدل	جناب مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب	۵۶

مقالات

اسلامی فقہ اور اس کے جدید تقاضے	جناب مولانا مختار الحسن صاحب	۸۶
ابو الاعلیٰؒ کا نثری سرمایہ	جناب صباح الدین ملک فلاحی	۹۳
امام ابو حنیفہؒ اور آپ کی فقہ	ولی اللہ سعیدی فلاحی	۵۲

روداد اجلاس

مطالعۂ قرآن	جناب مولانا محمد عزیر صاحب مظاہری	۷
خطبۂ استقبالیہ	جناب انصار احمد فلاحی	۲۰
خطبۂ صدارت	جناب نسیم غازی فلاحی	۲۲
فلاح آخرت	جناب مولانا ابوبکر اصلاحی صاحب	۳۵
روداد انجمن	جناب جاوید اشرف فلاحی	۴۲
پیغامات	جناب مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب و جناب اصلاحی صاحب	۶۶
دینی تعلیم کی اہمیت وضرورت	جناب مولانا محمد طاہر عمری مدنی صاحب	۶۹
ملک کی موجودہ صورت حال اور ہماری ذمہ داریاں	جناب مقبول احمد فلاحی	۷۱
دینی مدارس اور ان کے مسائل (سمینار)		۷۹
رپورٹ اجلاس شوریٰ	جناب جاوید اشرف فلاحی	۹۲

تعلیم وتعلم

ابن جریر طبریؒ اور ان کی تفسیر جامع البیان	جناب عبدالرحمن خالد فلاحی	۷۳
حافظ ابن حجرؒ اور بلوغ المرام	جناب محمد اسلام عمری	۸۱

تنقید وتجزیہ

پٹرو ڈالر	جناب قاضی زین العابدین صاحب	۴۸

حلقۂ یاراں

عطا عابدی، صباح الدین ملک فلاحی		۹۱

شعر ونغمہ

آخری اینٹ	ابو المجاہد زاہد	۵۲
شعلۂ بے باک	عطا عابدی	۵۳

جامعہ کے لیل ونہار

جناب ڈاکٹر ضیاء الرحمن صاحب اعظمی کا طلبہ سے خطاب	ولی اللہ سعیدی فلاحی	۱۰۰

اداریہ

ولی اللہ سعیدی فلاحی

موت ہے وہ زندگی جس میں نہ ہو انقلاب

اللہ کا شکر ہے کہ انجمن طلبۂ قدیم کا چوتھا دو سالہ اجلاس بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اگر خدائے لم یزل و لا یزال کی عنایات و نوازشات شامل حال نہ ہوتیں تو ہم اس اجلاس کے انعقاد میں کامیاب نہ ہوتے۔ اس موقع پر ہم خدا کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

اس وقت ہمارے ملک ہندوستان کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ زندگی کے تمام ہی شعبہ جات میں انتشار وخلفشار برپا ہے۔ ہر طرف بدامنی و بے سکونی کی فضا قائم ہے۔ ملت اسلامیہ بھی اس وقت شدید بحرانی کیفیت میں مبتلا ہے لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ باطل نظریات کو کنڈم کر کے ان کے سامنے اسلام کا نظام حیات پیش کیا جائے۔ اس عظیم مقصد کے حصول میں دینی مدارس ایک اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ان مدارس کے نظام تعلیم میں کافی تبدیلی لانے اور حذف و اضافے کے ساتھ ایک مناسب نظام تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ دینی مدارس کا نصب العین اور ان کے لئے جامع نصاب تعلیم کی تدوین، دینی مدارس میں تدریس قرآن وحدیث کے مسائل، فقہی مسالک میں دینی مدارس کی پالیسی، دینی مدارس اور جدید طریقۂ تدریس میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش، طالبات کے لئے اعلیٰ دینی تعلیم کی طرف پیش رفت، دینی مدارس میں نظام تربیت کی راہ میں موانع ومشکلات، دینی مدارس کی ذمہ داریاں، علوم دینیہ وعصریہ کے امتزاج کی نوعیت اور ایسے بے شمار مسائل اس وقت دینی مدارس کو درپیش ہیں جن کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ ہم اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے محض نظریاتی سطح پر ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی حتی الامکان اپنی حقیر کوششیں صرف کرتے رہے ہیں۔ دینی مدارس کے انہی مسائل کے پیش نظر ہم نے اس سال اپنے چوتھے دو سالہ اجلاس کے موقع پر "دینی مدارس اور ان کے مسائل" کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد کیا تھا۔

الحمد للہ تمام ہی شرکاء نے اپنے قیمتی مقالات سے بھرپور تعاون کیا۔ خدا کرے اس سیمینار سے جملہ دینی مدارس کو یکساں فائدہ پہنچے۔

ملک کے حالات کا جائزہ لینے اپنے مقصد کو کما حقہ سمجھنے اور اس کے مطابق فوری پیش قدمی کرنے کی آج شدید ضرورت ہے۔ اس وقت ملت کی نگاہیں ہماری طرف اٹھی ہوئی ہیں اور اس نے ہم سے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں کیونکہ ہم اقامت دین کے علمبردار اور اس عظیم مقصد کے داعی ہیں۔ وقت کی اسی ضرورت اور ملت کی اسی امید کو اجلاس کے موقع پر ہمارے ایک مہمان نے یوں کہا تھا کہ آج اس دور میں اصلاح و تربیت کے کام اور اس وسکون کے قیام کی امید ہم فارغین جامعہ سے کیوں نہ کریں؟ یقیناً آپ سے اس کی بجا توقع کی جا سکتی ہے۔ آپ کے اندر حقیقتاً ایسا کرنے کی صلاحیت ہے۔

یہ وقت سنجیدگی سے غور کرنے کا ہے۔ بسا اوقات ایک لمحے کی غفلت انسان کو صدیوں پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔ ہمارے ہر فرد کو اپنی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ کسی بھی قوم، گروہ، جماعت، تحریک یا تنظیم کی کامیابی کی بنیاد اس کے افراد کی فکری پختگی اور اس کے مطابق عملی پیش قدمی ہی ہوا کرتی ہے۔ اگر کسی گروہ سے ان دونوں چیزوں کا فقدان ہو جائے تو کامیابی و سربلندی اس سے اپنا منہ موڑ لیتی ہے۔ خدا کرے یہ چوتھا دوسالہ اجلاس ہمارے مقصد کی راہ میں مہمیز کا کام دے۔ اللہ ہم تمام کو اپنی ذمہ داری سمجھنے اور اس کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس وقت اجلاس نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے پہلے فروری [illegible] کے شمارے میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ "اجلاس نمبر" میں اجلاس کی رپورٹ کے ساتھ سیمینار کے مقالات بھی شامل اشاعت ہوں گے۔ لیکن سیمینار کے مقالات کی طوالت، افادیت اور ان کی اہمیت کے پیش نظر انہیں الگ کتابی شکل میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے لہٰذا ہم آپ سے معذرت چاہتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔ ••

درس قرآن

جناب مولانا محمد عزیر صاحب المظاہری حفظہ اللہ استاذ جامعۃ الصالحات رامپور

مطالعۂ قرآن

جناب مولانا محمد عزیر صاحب مظاہری حلقۂ تحریک اسلامی میں محتاج تعارف نہیں ہیں۔ آپ کا آبائی وطن نرولی ضلع علی گڑھ میں ہے لیکن پچاس سال سے آگرہ وطن ثانی بن چکا ہے۔ مظاہر علوم سے فراغت کے بعد آپ ۲۰ سال تک مدرسہ محمدیہ آگرہ اور تعلیمیہ انٹر کالج آگرہ میں استاذ کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور اب گزشتہ [illegible] سال سے جامعۃ الصالحات رامپور میں شیخ التفسیر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ چھٹی دہائی سے آپ جماعت اسلامی ہند سے منسلک ہیں، مرکزی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی رہ چکے ہیں، آج کل مجلس نمائندگان جماعت اسلامی ہند کے ممبر بھی ہیں اور جماعت اسلامی رامپور کے امیر مقامی بھی۔

۳ فروری [illegible] کو انجمن کے چوتھے دوسالہ اجلاس کے دوسرے دن بعد نماز فجر آپ نے درس قرآن دیا تھا۔ حذف و اضافے کے ساتھ پورا درس قرآن پیش کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیین وآتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عٰھدوا والصٰبرین فی البأساء والضراء وحین البأس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون (البقرہ ۱۷۷)

وفاداری اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف اپنا رخ پھیر لو ہاں

وفاداری یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ پر یوم آخرت پر ملائکہ کتاب اور نبیوں پر اور اس نے عطا کیا مال اس کی محبت کے باوجود قرابتداروں یتیموں مسکین مسافر اور سائلوں کو اور گردن چھڑانے میں، اور قائم کی اس نے نماز اور ادا کی اس نے زکوٰۃ، اور وہ وفادار ہیں کہ جو عہد کرتے اس کو وفا کرتے ہیں اور حقیقت میں وفادار وہی ہیں کہ جو بھوک اور فاقہ میں اپنی جسمانی اور اپنی مادی تکلیفوں میں اور حق و باطل کی جنگ کے وقت صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں حقیقت میں یہی سچے ہیں اپنے ایمان میں اور یہی متقی ہیں"

عزیزان گرامی! یہ سورہ بقرہ کی ایک آیت ہے، اوپر سے سلسلہ کلام کو پلیٹ دیا گیا ہے، درد بولوں تو یہ آیت ایک اہم ترین آیت ہے، اور وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم اس آیت پر اس کی گہرائی اور اس کی معنویت پر اپنے آپ کو تولیں اور دیکھیں پس منظر یہ ہے کہ امامت عالم کے لئے رب العالمین نے ابراہیم خلیل اللہ کو چن لیا ہے۔ اذ ابتلی ابراهیم ربہ بکلمت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما۔ قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظالمین۔ حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ کی اولاد کو رب العالمین نے امامت عالم کے لئے چنا ہے ہزارہا انبیاء اکرام بھیجے گئے ہیں کتاب پر کتاب دی گئی ہے، ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے مگر وما رعوھم حق رعایتہ۔

بنی اسرائیل کی تاریخ اس کا نشیب و فراز اس کی ٹھوکریں اس کا گرنا اس کا رب العالمین کا بار بار اٹھانا اس پر یہ تمام آیات مشتمل ہیں، اتمام حجت کے لئے رب العالمین نے بڑا معجزانہ انداز اختیار کیا ہے۔ حضرت مریمؑ کا انتخاب فرمایا اور جناب مسیحؑ مبشرا برسول یأتی من بعدہ اسمہ احمد کا منادی بنا کر بھیجا مصدقا لما بین یدی من التوراۃ۔ اور آنے والے نبی کی بشارت آپ کی بعثت کی غرض قرار پائی مگر جو کچھ ہوا اس سب کو تفصیل سے تاریخی اشارے بتلا دے یہاں مقام آگیا ہے کہ اب

اس امت کو معزول کیا جائے جس نے اپنا ذاتی استحقاق سمجھ رکھا ہے رب العالمین کی ہدایت اور اس کی کتابوں پر اور جن کا زعم یہ ہے۔ لن تمسنا النار الا ایاما معدودات۔ نحن ابناء اللہ واحباؤہ ۔ اور کردار یہ ہے — وقتلھم الانبیاء بغیر حق۔ یہ ان کا شیوہ بن گیا پھر اللہ کی کتاب کے انھوں نے ٹکڑے کئے۔

پانچ سو سال کے وقفہ کے بعد اللہ نے اپنا وعدہ امامت جو ابراہیمؑ سے کیا تھا وہ دوسری طرف منتقل کیا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اسمعیلؑ سے انتخاب فرمایا۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ یہ صف اول میں آتے مگر انہوں نے اللہ رب العالمین کے عہد کے ساتھ نقض کیا بڑی تلخ اور بڑی کڑوی اور گھناؤنی ان کی تاریخ ہے۔ طویل جدوجہد کے بعد طویل دعوت دی گئی ملامت کے انداز میں مگر یہ نہ مانے — اب موقع یہ ہے کہ اوپر سے تحویل قبلہ کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ اور یہ حکم تحویل قبلہ کا نہیں بلکہ امامت سے ان کو معزول کیا جا رہا ہے۔ اور اب ایک امت وسط کو برپا کیا جا رہا ہے۔ اب قیامت تک کے لئے ان کو منتخب کر لیا گیا لہٰذا اب مثبت طریقے سے اس امت کو جو آخری امت ہے جس کو آخری کتاب دی گئی ہے جس کے لئے آخری نبی منتخب کیا گیا ہے اسے ہر وقت ہدایت پیش کرتے ہوئے دین کی ہدایات دی جا رہی ہیں۔ اس وقت قرآن عزیز نازل ہو رہا ہے۔ قریش اولاد خلیلؑ کعبۃ اللہ کے مجاور ہیں ان کی تولیت ان کو بھی بڑے مغالطے کے اندر ڈالے ہوئے ہے اور اس پڑوس کے اندر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا چہرا دنیا کے آئینے میں عجیب و غریب ہے کتاب بغل میں دبی ہوئی ہے کتاب کے ساتھ جو کھیل کیا وہ کیا۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ کتاب اپنی میں تحریفات کئے اور آپس کے اندر یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ دین کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ قالت الیھود لیست النصاریٰ علی شئ وقالت النصاریٰ لیست الیھود علی شئ۔ اب بتلایا جاتا ہے کہ ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں لیکن یہ عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ آپس میں فتوے یہ ہے کہ دین سے اس کا تعلق نہیں اور وہ کہتا ہے کہ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں لیکن متحدہ محاذ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں یہ ہے قالوا کونوا ھودا او نصاریٰ تھتدوا۔ ان دو میں سے کوئی سا نہج اختیار کر لو تھتدوا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں یہ ان کا فتویٰ ہے۔ اس سے بھی آگے یہ کردار عوام کا نہیں یہ کردار صاحبان کتاب کا ہے، عالمان کتاب کا ہے، ان زعم کرنے والوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ لن تمسنا النار الا ایاما معدودات۔ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ ھؤلاء اھدیٰ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید کے مقابلے میں یہ قریش ہی زیادہ ہدایت یافتہ ہیں جو کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہیں جنھوں نے اللہ کے مرکز توحید میں بت رکھ چھوڑے ہیں، جو اپنی بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے ہیں، ہر چکنا پتھر جہاں کہیں مل جائے وہ ان کا خدا بن جاتا ہے یہ تو رب العالمین کے ساتھ تعلق ہوا اور آدمیت کا آپس میں سلوک یہ ہے کہ نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ کسی کا مال محفوظ ہے نہ کسی کی آبرو محفوظ ہے ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں زیادہ ھدایت یافتہ ھیں۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب۔ یہ یہ نہیں ہے کہ مشرق و مغرب کی بحث کی حل دینا سمجھ لیا جائے، طالبان علم اور صاحبان علم سمجھتے ہیں کہ قبلے کے سلسلے میں بیت المقدس کے سلسلے میں ان دونوں گروہوں میں یہ طے ہی نہ ہو پایا کہ اللہ کی عبادت کس رخ کھڑے ہو کر کی جائے۔ یہ صرف علمی مناظرے ہی نہیں تھے بلکہ خون کی ندیاں بیت المقدس میں بہہ چکی ہیں اسی مسئلے کے اوپر۔ علماء کرام کی موجودگی میں عوام نے ایک دوسرے کی گردنیں کاٹیں تھیں، ایک کہتا ہے کہ مشرق کی طرف دوسرا کہتا ہے مغرب کی طرف گویا یہی دین ہے یہ طے ہو گیا تو انسانیت کو نجات مل جائے گی۔ انہوں نے اللہ رب العالمین کے دین کو ادا کرنے کے بجائے آپس میں بغیا بینھم کا رول ادا کیا آپس میں ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے کی خالق حق کے ساتھ دشمنی کی۔

ہو یہ نہیں ہے کہ تم اس بحث میں پڑ جاؤ کہ قبلہ کدھر ہے اور کدھر نہیں ہے حالانکہ

دین کے اندر قبلے کی جو اہمیت اور تحویل قبلہ کی بات اپنی جگہ مسلم ہے یہاں پر اس گروہ کی معروفی کا جھگڑا یہ ہے کہ وہ طے نہیں کر پائے کہ قبلہ کدھر ہے اور کدھر نہیں ہے، اور اسی میں الجھ کر رہ گئے۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تحویل قبلہ کا جو حکم ملا ہے یعنی یہ بھی کھلا ہوا اشارہ ہے کہ اب تم کو معزول کیا گیا اور اس امت کو برپا کیا گیا۔ تو ان تینوں گروہوں کے اندر بڑی کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ اب تک ان کو آسرا تھا اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبل ہجرت اس پوزیشن سے کعبۃ اللہ کو سامنے کر کے نماز پڑھتے تھے کہ بیت المقدس بھی اسی سمت آتا تھا اور آپ کے سامنے ملت ابراہیم کا مرکز بھی لیکن ہجرت کے بعد یہ مسئلہ بڑا الجھا اور جیسا کہ قرآن عزیز میں آیا ہے۔ قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضاھا۔ تو اس کے بعد جب تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا تو یہ آخری آسرا تھا اس امت کو کہ شاید ہمارے ساتھ کچھ رواداری برتی جائے گی لیکن جب یہ آسرا بھی ٹوٹ گیا تو یہ دونوں گروہ کھل کر سامنے آ گئے اور جب قریش کو معلوم پڑا کہ کعبہ قبلہ ہو چکا ہے تو ظاہر بات ہے ان کے دلوں میں یہ بات آئی کہ اب مسلمان کعبہ کو ہماری تحویل میں کیسے چھوڑیں گے لہٰذا متحدہ محاذ بنا کر امت وسط کے خلاف اب یہ علانیہ اور منظم طریقے سے سامنے آیا چاہتے ہیں۔ اس پس منظر کے تحت ارشاد ہوا کہ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب۔ دین کے اندر قبلہ اہمیت رکھتا ہے لیکن ہر چیز کے کچھ اجزا ہوتے ہیں کچھ اہم ہوتے ہیں اس سے کچھ فروتر اور ہوتے ہیں گرچہ ہمارے اس بدن کا ایک ایک رونگٹا رب العالمین کی حکمت کا ایک ضروری شاہکار ہے، ہماری ضرورت ہے مگر اس بدن کے اندر بھی رب العالمین نے اہم اور غیر اہم کچھ اعضا کے رئیسہ بنائے ہیں۔ اس طریقے سے دین کے اندر بھی یہ تمام تناسب ہے اقدم فالاقدم کا مسئلہ بھی رہ جاتا ہے کہ ایک تو ہوتا ہے علم --- دین کا علم ہوتا ہے دوسری اس کی حکمت ہوتی ہے۔ ایسا اکثر ہوا کرتا ہے اور کہیں آج ہم بھی اس میں مبتلا نہیں ہیں کہ علم کی تو زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے لیکن حکمت دین کی طرف نہیں رہتی۔ کتاب خوانی سے جو علم حاصل کیا جاتا ہے وہ رہنمائی کرنے کیلئے کافی نہیں ہوتا۔

کتابیں بغل میں دبی رہتی ہیں اور دین کی روح آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے۔ انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو — یعلمھم الکتاب والحکمۃ — کتاب اور حکمت دو چیزیں دی گئیں علم عام ہے لیکن حکمت دین ہم سے اٹھا لی گئی جیسے کہ بنی اسرائیل سے اٹھا لی گئی یہ مقام غور ہے۔ عوام بے چارے کیا فیصلہ کریں خواص یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے ہیں کہ قرآن عزیز کی شاہراہ صراط مستقیم کیا ہے اور اس کو اس وقت میں ان حالات میں کدھر اور کہاں سے اختیار کیا جائے۔ کام کہاں سے شروع کیا جائے۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ دین کی حکمت بڑی اہم چیز ہے۔

البرّ

قرآن عزیز کا یہ ایک مخصوص لفظ ہے جو وسیع الاطراف ہے ہماری اردو بولی اس کے تمام اطراف کو سمو کر ایک لفظ اس کے بالمقابل لے آئے ایسا مشکل کام ہے پہلے آپ وہاں دیکھیں گے کہ نیکی سے اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے یقیناً نیکی ایک ایسا لفظ ہے جو اس کو کور کر لیتا ہے لیکن برّ کا جو اصل ابھرا ہوا پہلو ہے اس میں دب جاتا ہے پھر نیکی کا لفظ اس قدر استعمال کرتے کرتے وہ عام ہو گیا ہے دین کا جو اصل مغز ہے اس تک ہماری نگاہ نہیں پہونچتی۔ اس سے قریب قریب اس کا ترجمہ نیکی کے ساتھ ساتھ وفاداری کا لفظ اگر بڑھا دیا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا اس لئے کہ رب العالمین کا کلمہ طیبہ جو ہے ایک عہد ہے اور تمام انبیاء کرام سے جو معاہدہ ہوتا ہے کلمہ کے ذریعہ وہ رب العالمین سے معاہدہ ہوتا ہے۔ تو وفاداری اور عہد کا نبھانا یہ نہیں ہے کہ آپ نے دین کے کچھ اجزاء (جزی کا اہمیت کے اعتبار سے وہ مقام نہ تھا) کو اپنا لیا اور اس کے اوپر [illegible] شروع کر دی۔

صاحبان علم جانتے ہیں کہ ولکن البر من آمن یہاں ایک لفظ حذف ہے ولکن البر برّ من آمن — وفاداری اور عہد اور بر وہ ہے من آمن باللہ والیوم الآخر — یہ ایمان کا لفظ نیکی کے لفظ کی طرح کچھ ایک عام لفظ میں آچکا ہے یہاں تک کہ میں نے تاش کھیلنے والوں کو بھی دیکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تو بے ایمانی کر رہا ہے۔ بے ایمانی کہہ کر اتنا پامال

کر دیا گیا۔ بے ایمان کے لفظ کو کہ قرآن عزیز میں جو ایمان کا مفہوم ہے اور جو اس کی گہرائیاں ہیں یہ لفظ تنہا بول کر ادھر ہمارا دماغ نہیں جاتا اب ضرورت پڑ گئی ہے کہ اس کی تشریح کی جائے کہ علمی تشریح کافی نہیں ویسے عملی تشریح کی ضرورت ہے کہ ہم پیدائشی طور پر اپنے آپ کو مومن سمجھے ہوئے ہیں اور اس پر ہم کو قناعت ہے زیادہ سے زیادہ بہت کچھ شعور ہو جاتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم کسی مورتی کو نہیں پوجتے لہٰذا ہم مومن ہیں۔ آگے کچھ ترقی ذہن کرتا ہے دین کے بارے میں تو وہ قبر پرستی کا مسئلہ آجاتا ہے کہ ہم قبر کو نہیں پوجتے ہیں لہٰذا ہم مومن ہیں مسلم ہیں انہیں حدود تک ایمان کو سمجھ لیا جاتا ہے — تفصیلات کا موقع نہیں اتنا تو کم سے کم۔ صاحبان علم جانتے ہیں کہ ایمان کے بھی تین اجزاء ہوتے ہیں ایٹم ایک آخری ذرہ ہے اس کے اندر بھی ایک اس کا نیگیٹیو ہوتا ہے اور ایک پازیٹیو ہوتا ہے اور اس کا ایک سینٹر ہوتا ہے محور ہوتا ہے جس پر ذرات گھومتے ہیں اس طریقے سے ایمان کی وہ چیزیں جن کو ہم اجزاء ایمان کہتے ہیں ایمان کے اجزاء جدا نہیں ہوتے ان کے اندر بھی اجزاء باقی ہوتے ہیں۔ ایمان کی کیفیت میں سب سے پہلے علم جزو اعظم ہے اور علم کے بعد اعتقاد ہے اور تیسری چیز توحید ہے علم، اعتقاد و اعتقاد اور توحید ان تین اجزاء سے مل کر لفظ ایمان اپنا معنی پیدا کرتا ہے ایمان کی تفصیل یقین کی وہ بڑھی ہوئی کیفیت ہے جو آدمی کے نفس و قلب میں سرایت کر جائے تو اس کے خلاف آدمی بھولے سے بھی قدم نہ اٹھا سکے اور نہ کچھ بول سکے۔ ایک مثال ملاحظہ کیجئے — بچپن ہی سے ہماری طبیعت میں یہ چیز داخل ہو چکی ہے کہ آگ جلا دے گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سانپ کاٹتا ہے حالانکہ اس نے ہمیں کبھی نہیں کاٹا۔ یہ سانپ کے بارے میں اور آگ کے بارے میں جو کیفیت ہمارے ذہن میں ہے کیا اس کے خلاف کوئی نادان بچہ بھی قدم بڑھا سکتا ہے اسے علم ہے کہ یہ سانپ ہے اسے علم ہے کہ یہ انگارہ ہے کیا یہ انگارے ایک تشتری میں رکھ دیئے جائیں اور ایک بچے کو جا کر کہا جائے کہ ہر انگارے پر تم کو ایک ہزار روپے ملیگا ایک ایک کر کے منھ میں رکھو اور ابھی دس ہزار روپے لے کر جاؤ کیا کوئی بچہ — انگارا منھ میں رکھ

سکتا ہے یا کسی ڈاکو کے ساتھ کہ ریوالور لیکر آدمی کھڑا ہو جائے یقینا موت اس کے ہاتھ میں بھی ہے وہ کہتا ہے کہ دس انگارے ایک دو کر کے منہ میں رکھتے جاؤ ورنہ میں گولی مار دونگا کیا بچہ ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے آپ وہ انگارے اٹھاتا جائے اس کے ڈر سے اور منہ میں رکھتا جائے یہ اس کا عمل ہے کہ وہ گولی مار سے یا نہ مارے نہ لالچ سے ایمان کے خلاف بھی قدم اٹھ سکتا ہے اور نہ کسی ڈاکو سے بھی اٹھ سکتا ہے نہ ڈر سے نہ زاری ہے اور ڈر سے تو یہ یقین کی معمولی سی کیفیت ہے جو آگ اور سانپ کے بارے میں ہے کہ اللہ کے بارے میں اتنا یقین بھی ہمارے پاس ہے ہمارا حال یہ ہے کہ ایمان کتاب پر ہے اور کتاب طاق پر ہے بغیر ایمان کے ظاہر بات ہے کہ اس کتاب عزیز اور اسلام کا ایک قدم بھی آگے نہیں اٹھ سکتا یہ مطلوب ہے ایمان کو — تو بر اور وفاداری یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ پر، یوم آخر پر، ملائکہ پر، کتاب پر نبیوں پر یہ ایمانی کیفیت ان سب اجزاء پر نمبروار ترتیب کے ساتھ راسخ ہوئے بغیر اعمال پر زور دینا یا صرف علم ہی کو مقصود بنا کر بیٹھ جانا اور کسی جامعہ کی عظیم ڈگری فرسٹ کلاس کی حاصل کر لینا یہ کیا قابل اطمینان چیز ہے ابھی بہت کچھ باقی ہے۔

آپ صاحبان علم ہیں آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کس پہلو سے ایمان کی تشریح کی ہے فرمایا۔ لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ تم میں کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا —— جب تک جو اپنے لئے تم پسند کرتے ہو دوسرے کیلئے بھی پسند کرو، اسی طرح کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا تا وقتیکہ اس کی زبان اور اس کا ہاتھ مسلم نہ ہو کوئی مسلم مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی ذات سے اور اس کے عمل سے محفوظ نہ ہو جب ایمان کامل کلیجے کے اندر سرایت کر جاتا ہے قلب و نظر میں — تو واٰتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین کا وجود ہوتا ہے — یہ ہے بر یہ ہے وفاداری — پہلی چیز ایمان اور اب عمل یعنی ایمان کا مظاہرہ

اس طریقہ سے بر کا

واٰتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ

علی حبہ: اس میں ضمیر کا مرجع (بہت سے مفسرین ترجیح دیتے ہیں) رب العالمین اللہ سے اور بعض نے کہتے ہیں مال، دونوں کی گفتگو اور دلائل آپ کے سامنے ہیں قابل ترجیح علی حبہ ای علی حب المال ہے — مال کی محبت کے باوجود — مال محبوب یوں بھی ہے لیکن اس کی محبت کے باوجود کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بذات خود وہ مال بڑا قیمتی ہے محبوب ہے مجھے بڑا عزیز ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مال تو ویسے زیادہ قیمتی نہیں ہے مگر میری ضرورت نے اس کو محبوب بنا دیا ہے، ارشاد ربانی ہے: لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون،

یتامیٰ

یتامیٰ کا عطف ذوی القربیٰ پر کر کے یتیم کے مقام کو کتنا بلند کیا گیا ہے اس کے بعد مساکین اور ابن سبیل کا ذکر ہے،

فی الرقاب

لوگوں کی گردن میں چھڑانے پر — یہ دوسری ہدایت ہے جو مختلف طریقے سے دی گئی ہے یہ ایمان کے تقاضوں کا ذکر ہے، آپ کو سیرت کے اندر تفصیلات ملیں گی اور احادیث سے آپ کو معلوم ہے کہ ایمان کی کیفیتیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت آپ کی صحبت اور آپ کی حکمت سے اس گروہ میں سرایت کر گئی ہیں تو "یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ" کی مثالیں ملنے لگی ہیں اس پہلو سے ہم کو اپنے آپ کا جائزہ لینا پڑیگا اپنے ایمان کو ٹٹولنا پڑیگا، یہ وہ تقاضے ہیں کہ ہمارا علم جو دینداری کا ہے اور ہمارے اندر جو قناعت ہے ہمارے اندر جو سبقت طلب و جستجو نہیں ہے ایمان کی منزلیں پانے کے لئے ان کے ذریعہ سے پتہ چلے گا کہ ہم کہاں ہیں،

واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ

پیچھے اگرچہ یہ سب گذر گیا لیکن ظاہر بات ہے کہ واٰتی المال

علی حبہ بخیلوں والی زکوٰۃ تو نہیں ہے۔ وہ تو انفاق کا مسئلہ ہے۔ صدقات وغیرہ جو بہت سے بزرگ، لوگ غالباً فرماتے ہیں کہ چالیس فیصد جو نکال لیا ہے تو گویا بڑا تیر مار لیا ہے اور دین کی آخری چوٹی چھو لیا ہے۔ لیکن یہ چالیس فیصد تو بخیلوں کا ہے۔ بات تو وہاں تھی کہ مال کی ضرورت کے باوجود خرچ کیا جاتا۔

اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ یہ دو ستون ہیں ایمان ایک بیج ہے جو کہ جیسے کے اندر پیوست ہوتا ہے جب یہ گہرائی میں اتر تا ہے تو اس میں سے پھلتا کا نمودار ہوتا ہے اس ایمان کے بیج میں سے جو ہیں ان میں سے دو بنیادیں نکلتی ہیں۔ ایک کو اقامت الصلوٰۃ یا انفاق و ایتاء الزکوٰۃ کہتے ہیں۔ اسی پر سارا دین قائم ہے۔ لہٰذا نماز ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی ہے۔ یہ ایمان کی زندگی کی علامت بھی ہے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے کیسے سمجھیں گے کہ بچہ زندہ ہے جب اس کی نبض تڑپ رہی ہو اور سانس لے رہا ہو یہ اس کی پہلی علامت بھی ہے اور موت کے وقت یہی دیکھا جاتا ہے کہ نبض تڑپ رہی ہے اور سانس ہے یا نہیں بالکل ایمان کا اور نماز کا یہی تعلق ہے۔ ایمان کے پتے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کا نماز کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ سابقین اولین میں تو نماز کی پابندی تھی لیکن فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات اور اکثر یہی حال ہوتا ہے۔ نماز پڑھ دینا یہ ایک الگ بات ہے اور نماز قائم کرنا ایک الگ بات ہے۔ ہم جامعہ میں اساتذہ بھی ہوتے ہیں طلبہ بھی ہوتے ہیں میں بچوں سے کہا کرتا اور کہتا ہوں آپ سے بھی عرض ہے آپ جب یہاں سے تشریف لے جائیں تو کیسے پتہ چلے کہ کیا آپ لے کر گئے اور کیا چھوڑ کر جا رہے ہیں زندگی کے کتنے سال یہاں گذارے اگر یہاں سے آپ کو نماز قائم کرنا آگئی تو میں سمجھتا ہوں آپ نے حاصل عمر اپنے ساتھ لے لیا۔ نماز کی پیکنگ کرنا الگ چیز ہے اور اقامت الصلوٰۃ ایک الگ چیز ہے۔

آپ دیکھئے کہ آپ کو نماز قائم کرنا آئی۔ نماز کو قیام اقامت الصلوٰۃ آپ کا

مطمع نظر ہو اور ہر مومن کا یہی مطمع نظر ہو قرآن عزیز اور اس کی دعوت اقامت الصلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ انہیں دونوں بنیادوں پر کھڑی ہے۔ ہمیں ان آیتوں کی روشنی میں اپنا احتساب لینا چاہئے۔

والموفون بعھدھم اذا عاھدوا

یہاں اچانک اسلوب بدل جاتا ہے یہ تنبیہ کے لئے نہیں ہے صرف یہ کلام کا رنگ اور اس کو عجیب بنانے کے لئے بات تبدیل نہیں ہے یہ جملہ اسمیہ ہے یقیناً اوپر کے تمام جو نکات بیان کئے گئے وہ جملہ فعلیہ تھے فعل بہر حال فعل ہے اس میں شوق وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے مگر ثابت قدمی استمرار یہ جملہ اسمیہ سے ظاہر ہے۔ قرآن عزیز سراپا حکمت ہے اور زبان کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے۔

عہد اللہ کا اور بندے کا بھی ہے۔ عہد بندے سے اور بندے کا بھی ہے۔ عہد میاں اور بیوی کا بھی ہے۔ اور عہد طالب علم اور استاذ کا بھی عہد کچھ فطری اور ازلی اور ضمیر کے اندر ہوتے ہیں کچھ زبان سے کئے جاتے ہیں کچھ تحریر سے کئے جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے اس کی عملی تصویریں ہم کو دکھائی ہیں صلح حدیبیہ والا واقعہ آپ دیکھئے معاہدات کا کتنا احترام کیا جاتا ہے۔

والموفون بعھدھم۔ کافی تھا اذا عاھدوا مزید ذکر کیا یعنی مومن اور پھر عہد کرے زبان سے یا اپنی تحریر سے (تو مومن کا عہد پکا ہوتا ہے) تو کس کو کہتے ہیں جان اور کس کو کہتے ہیں مال اور کس کو کہتے ہیں دایاں اور کس کو کہتے ہیں بایاں پھر تعلیں نہیں ٹٹولتا ہمارے بھی کچھ اللہ سے معاہدات ہیں، ہمارے بھی بندوں کے درمیان معاہدات ہیں طلبہ اور اساتذہ کا بھی ایک خاموش معاہدہ ہوتا ہے اور ایک طرح معاہدہ بھی ہوتا ہے۔ ہم کو دیکھنا

چاہیے کہ دین کے اندر مغز کو پایا یا ہم چھلکوں ہی میں الجھے ہوئے ہیں۔

پھر دیکھیے اسلوب

والصابرین فی البأساء والضراء وحین البأس

بدلنا۔ والموفون بعہدہم اذا عاہدوا کے بعد والصابرون فی البأساء ہونا چاہیے سیاق کلام ہم کو یہی بتا رہا ہے وہاں اسلوب اسمیہ کے اندر بدلتا کھایا ہو جب اسمیہ شروع ہوا تو یہاں والصابرین کہاں سے آگیا۔ اس کے اندر کسی چیز کو قائم کرتا ہے یہ اعراب بھی اپنے اندر معنویت رکھتے ہیں۔ یہ زیر و زبر یہ علامتیں ہی نہیں ہیں یہ پیش علامت ہی نہیں ان کے اندر بھی بڑی معنویت ہوتی ہے حروف بھی معنویت رکھتے ہیں اور ترکیبوں کے محل اپنے اندر معنویت رکھتے ہیں۔ یہ پوری آیت کا نچوڑ خصوصاً الصابرین ہے عملی زندگی میں جو چیز مطلوب ہے وہ صبر ہے نہ ایتائے زکوٰۃ ہو سکتی ہے نہ اقامت صلوٰۃ ہو سکتی ہے نہ ایمان کے تقاضوں کا مظاہرہ ہو سکتا ہے نہ معاملات کا ایفا ہو سکتا ہے جب تک صبر نہ ہو

ان آیتوں کی روشنی میں ہمارے اساتذہ کو ان کا درس دینا چاہیے۔ وہ خود اس کی عملی تصویر ہوں علمی کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں بھی ہوں۔ ورنہ ہم اہل کتاب کی طرح اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھتے رہیں گے۔

مجبوری کا نام صبر نہیں۔ صبر ایک مثبت چیز ہے صبر کے تین مقام بتلائے گئے ہیں۔

(۱) فی البأساء: پیٹ بھری کی باتیں الگ ہوتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مجھے یاد آتی ہے اس کا ایک جز ہے لوگ پانچ چیزیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کہاں اور میں نے ان میں رکھا نہیں ہے ان میں سے یہ ہے غالباً۔ میں علم کو رکھ دیا ہے بھوک میں اور لوگ سیری میں اسے تلاش کرتے ہیں

(۲) جسمانی تکلیف: تندرستی کا عالم اور ہوتا ہے اور بیماری کا عالم اور

(۳) حین البأس: حق و باطل کا جب آمنا سامنا ہو۔ ان تینوں مواقع پر جب صبر کا مظاہرہ ہو تو ... آمنہ بالشہ کا حق پورا کیا اور یہ کا آپ نے مقام پایا۔

یہ ہیں صادق الایمان

اولٰئک ہم الذین صدقوا واولٰئک ہم المتقون

اور یہ ہیں متقی۔

اس آیت کو تعویذ بنائیے۔ سامنے رکھئے اور ٹھہر ٹھہر کر غور کرتے رہیے اور اس سے رہنمائی حاصل کیجئے ——

یہ نشست آپ کے وقت کے تقاضے کے مطابق ہے۔ امت کے لئے یہ نشست آج کی میں سمجھتا ہوں کہ بڑی اہم نشست ہے۔ ہر وقت ایک معمولی کارروائی سمجھ کر آپ اس کو ختم کر دیتے ہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں ابھی ہم سمجھے نہیں ہیں اور وقت کے تیور کو بھارت کے تیور کو حالات کو یہ تو ظاہری ہیں۔ لیکن اپنے رب کے تیور کو قرآن کے تیور کو آپ کو سمجھنا ہو گا۔ قرآن کی قدر کریں گے آپ باقدر ہوں گے قرآن کی بے قدری کریں گے کوئی قدر کرنے والا زمین و آسمان میں نہ ملیگا۔

اب رب العالمین ہم سب کو محفوظ رکھے اور قرآن عزیز کی گہرائی اور اس کے مطالبات کی طرف ہماری نگاہ پھیرے تاکہ ہم خود اپنے مقصد کو سمجھ سکیں اور لوگوں تک بھی قرآن کا پیغام پہنچا سکیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سید حامد حسینؒ نمبر: کی چند کاپیاں ابھی ہمارے پاس موجود ہیں
خواہشمند حضرات مبلغ ۶/- روپے
بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر ہم سے طلب کر سکتے ہیں۔ (ادارہ)

جناب انصار احمد فلاحی

خطبۂ استقبالیہ

یہ استقبالیہ انجمن کے چوتھے دو سالہ اجلاس کے موقع پر ناظم اجلاس جناب انصار احمد فلاحی صاحب نے پیش فرمایا۔ (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

مہمانان گرامی قدر، مشفق اساتذہ کرام، عزیز ساتھیو اور پیارے طلبہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس نے ہم فارغین جامعہ کو چوتھی کانفرنس منعقد کرنے کی توفیق دی جس کے ذریعہ ہم کو طویل عرصہ کے بعد آپ سے ملنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اگر رب کریم کی عنایات شامل حال نہ ہوتیں تو ہم یہ کانفرنس منعقد کرنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ آپ حضرات کا استقبال کرتے ہوئے آپ کے تئیں میرے جذبات و احساسات کا جو عالم ہے، یقین مانئے کہ اس کا اظہار کرنے سے الفاظ قاصر ہیں۔

میں سب سے پہلے خاص طور سے اپنے معزز مہمانوں کا انجمن طلبۂ قدیم، جامعہ کے اساتذہ کرام، ذمہ داران اور طلبہ کی جانب سے خیر مقدم کرتا ہوں اور دلی شکریہ کا اظہار کرتا ہوں کہ آپ نے ہماری دعوت قبول فرما کر ہماری جو عزت افزائی فرمائی ہے یہ اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ آپ کو جامعہ، فارغین جامعہ اور طلبہ سے بے پناہ محبت ہے اور ہمارے اساتذہ اور ذمہ داران کی حقیر مساعی کو آپ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ آئندہ بھی جائزہ لیتے رہیں گے اور اپنے مفید مشوروں سے علاوہ کلاً اللہ کی خاطر ذمہ داران جامعہ کو، اور نصائح سے طلبہ کو نوازتے رہیں گے۔

حضرات! آپ اس ادارہ کے نصاب تعلیم اور اس کے مقاصد سے واقف ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اس طرح کے ادارے علمائے دین تیار کرتے ہیں جن کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ انبیاء کا تعلق جہاں اپنے رب سے ہوتا ہے وہیں اپنے مخاطب سے بھی رہتا ہے۔ لہٰذا ہمارے نصاب تعلیم کو بھی

اسی روح کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے تاکہ ایسے افراد تیار کئے جائیں جو قرآن و حدیث اور دیگر علوم اسلامیہ کا گہرا علم رکھنے کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی پوری طرح مسلح ہوں تاکہ ایک طرف باطل نظریات کا منہ توڑ جواب دے سکیں، دوسری طرف دینی علوم کو جدید دور میں جدید انداز میں پیش کر سکیں۔

حضرات! آج ہندوستان میں ہزاروں کی تعداد میں دینی مدارس بحمد اللہ سرگرم عمل ہیں۔ فطرت کے نیرنگیوں کی طرح ان میں الگ الگ خصوصیات بھی ہیں لیکن بنیادی مقصد سب کا ایک ہے۔ وہ یہ کہ اس سرزمین کے باشندوں کو بلا تفریق اللہ کی طرف بلایا جائے اور ان کو جہنم کی راہ سے دور کیا جائے، اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جان توڑ کوشش کی جائے۔ یہی انبیاء و رسل کا مشن تھا جس کے وارث علماء بنائے گئے ہیں اور جن کو تیار کرنے کے لئے یہ دینی مدارس قائم کئے گئے ہیں۔ ہمارے مدارس کا ایک تابناک ماضی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے دینی و ملی تشخص کو برقرار رکھنے میں مدارس نے عظیم کردار ادا کیا ہے۔ آج بھی امت مسلمہ آس لگائے بیٹھی ہے کہ ان تربیت گاہوں سے افراد تیار ہو کر میدان عمل میں آئیں اور قوم کی رہنمائی کریں۔

اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر ہم نے ایک تعلیمی سیمینار رکھا ہے اور چند عظیم اداروں کے ذمہ داران کو شرکت کی زحمت دی ہے تاکہ ہم مل کر غور کر سکیں کہ اپنے مقصد وجود کو حاصل کرنے کے لئے کس طرح باہم تعاون کیا جائے اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کے بعد ان شاء اللہ جامعہ کی طرف سے بڑے پیمانہ پر نصاب تعلیم کے موضوع پر مستقبل قریب میں ایک سیمینار بھی منعقد کرنے کا ارادہ ہے۔ ایسا کرکے ان شاء اللہ ہم اپنے مقصد کو بڑے پیمانہ پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

محترم ذمہ داران جامعہ و اساتذہ کرام!

آپ نے ہماری تعلیم و تربیت کی خاطر جو مشقتیں برداشت کی ہیں ان کی حسین یادیں زندگی بھر ہماری ہم سفر رہیں گی۔ جامعہ کن نشیب و فراز سے گزرتا رہا ہے اور اس راہ میں کیسی کیسی مشکلات کا آپ ہر وقت سے مقابلہ کرتے رہتے ہیں اس کا احساس ہم کو اپنے بچپن میں جب ہم زیر تعلیم تھے، ہوتا تھا اور آج بھی ہے۔ اس محور کو اپنے خون جگر سے آپ نے کس طرح سینچا ہے، ہماری نگاہیں ان کو فراموش نہیں کر سکتیں۔ ہم صرف اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ آپ کی کوششوں کو قبول فرمائے اور اگر

ہم زندگی کے کسی لمحہ میں اللہ کے دین کے کام آجائیں تو ہماری موت کو آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔

یہ بھی بہت کہ ہماری زندگیاں آپ کے خوابوں کی تعبیر بن سکیں یا نہیں اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔ ہمارے لئے آپ کی جو تمنائیں اور آرزوئیں تھیں اور ہیں، ہم کس حد تک ان کی تکمیل کر پائے ہیں، یہ آپ ہی بتائیں گے۔ البتہ ہماری کوشش اور خواہش ضرور رہی ہے کہ آپ ہم سے مایوس نہ ہونے پائیں۔ کامیابی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، البتہ میدانِ عمل میں آپ نے ہمیں بھیجا ہے۔ آپ کی دعاؤں اور اللہ کے کرم کے سہارے ہم اپنی سی کوشش ضرور کرتے ہیں کہ اگر مادرِ علمی کی نیک نامی کا باعث نہ بن سکیں تو کم از کم ہماری ذات سے ادارہ کی بدنامی بھی نہ ہونے پائے۔ ہم اب بھی آپ ہی کے زیرِ تربیت ہیں۔ آپ ہمارا جائزہ لیں اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہیں۔ اگر ہمیں کسی کام کا اہل سمجھیں تو ہم کو حکم بھی دیں تاکہ ہم اپنا حقیر تعاون پیش کرتے رہیں۔

محترم فلاحی بھائیو! میں آپ کا آپ کے آشیانہ میں استقبال کرنے کی رسم ادا کروں، وہ عجیب سا لگتا ہے۔ ہم سب نے یہیں مل بیٹھ کر اپنی زندگیوں کو سنوارا ہے۔ ہم نے تعلیم و تربیت، تہذیب و ثقافت کا درس لیا ہے۔ اپنی عملی زندگی کے لئے یہیں مادرِ علمی کی آغوش میں رہ کر نہ جانے کتنے خاکے بنائے، کتنے ارمان دلوں میں مچلتے ہیں۔ ہمارے لئے آج کا دن بڑا ہی نازک ہے، ہمارے مشفق اساتذہ، ذمہ داران اور عزیز طلبہ کے ذہنوں میں ہماری تصویریں ہیں، آج وہ ان تصویروں کی روشنی میں ہمارا جائزہ لیں گے دیکھیں گے ہماری زندگی کی تصویر کس حد تک ان سے ملتی اور اس بستی کے لوگوں کی آرزوؤں کے مطابق ہے۔ اس طرح آج اساتذہ کرام، ذمہ داران جامعہ، اہل بلریا گنج، قرب و جوار کی بستیوں کے لوگ آپ کا جائزہ بھی لیں گے۔

عزیز طلبہ ساتھیو!

یادوں کی اس پُرمسرت تقریب میں بصد خلوص میں آپ کو مرحبا کہہ رہا ہوں۔ آپ حضرات نے اجلاس کی تیاری میں جس لگن اور محنت و مشقت کا مظاہرہ کیا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو ادارہ سے بے حد لگاؤ ہے۔ آپ نے جس جوش و خروش کے ساتھ کام کیا اور اپنے آرام و سکون کو تج کر شب و روز کی جو مشقت برداشت کی یہ آپ کے خلوص اور جامعہ سے آپ کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ میں آپ حضرات کا دل کی پوری گہرائی کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ رب العزت سے

دعاگو ہوں کہ مالک آپ کی کوششوں کو قبول فرمائے اور آپ حضرات کو جامعہ کی نیک نامی کا ذریعہ بنائے۔

آخر میں میں اپنے ان تمام کرم فرماؤں اور دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے مفید مشوروں علمی کاوشوں اور دوسرے ہر طرح کے تعاون کے ذریعہ یہ اجلاس آرگنائز کر سکا ہوں۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس اجلاس میں جو خوبی اور بہتری بھی نظر آ رہی ہے وہ خدا کے فضل و کرم اور میرے مخلص ساتھیوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے اور جو خامیاں اور کمیاں رہ گئی ہیں وہ میری اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ہیں۔ میں آپ تمام حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ ان کوتاہیوں سے صرفِ نظر کریں اور اللہ رب العزت سے دعاگو ہوں کہ وہ میری لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

بقیہ: خطبۂ صدارت۔

ہم میں سے ہر فرد کو یہ سوچنا چاہئے کہ اس نے یہاں پر اپنی زندگی کا کتنا وقت گزارا ہے۔ پھر اس کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کو بنانے سنوارنے میں کتنی صلاحیتیں، توانائیاں، اساتذہ، ذمہ داران کی محنتیں اور قوم و ملت کا کتنا سرمایہ صرف کیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں زندگی بھر ہم یہ احتساب کرنے کے پابند ہیں کہ اپنی زندگیوں کو ہم ان کوششوں کا صحیح ثمرہ اور پھل ثابت کر پا رہے ہیں یا نہیں۔ اگر ہماری عملی زندگی دیکھ کر لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی کوششیں رائیگاں گئیں اور ہم ادارے کے خیرخواہ اور کارکنان کی آرزوؤں کے آئینہ دار نہیں بن سکے تو ان کی نگاہ میں ہم ایک حرفِ بے وفا قرار دیئے جائیں گے ہی اپنی اس بدنصیبی کی وجہ سے آخرت کی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال دیں گے۔

آخر میں میں حاضرین کرام، اپنے محترم اساتذہ اور عزیز طلبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ میں نے جو باتیں سامنے رکھی ہیں ٹھنڈے دل سے ان پر غور کریں گے۔

ایک بار آپ کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اجلاس کی کامیابی کے لئے تمام ممکنہ تدابیر اختیار کیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اس اجلاس کو کامیاب بنائے اور ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

***

خطبۂ صدارت

جناب نسیم غازی فلاحی : صدر انجمن

انجمن طلبہ قدیم کے چوتھے دو سالہ اجلاس میں پیش کیا گیا خطبۂ صدارت حاضر خدمت ہے۔ (ادارہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

برادران محترم، مہمانان گرامی، اساتذہ کرام وعزیز طلبہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے آج ہمیں انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کے چوتھے دو سالہ اجلاس عام کے انعقاد کی توفیق عطا فرمائی۔ ہمارے قلوب فرط مسرت سے جھوم اٹھے ہیں کہ آج ہم اپنے اساتذہ کرام اور طلبہ عزیز نیز مہمانان گرامی کے درمیان موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے یہ زریں موقع عنایت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس اجلاس کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔ آمین۔

حضرات! آپ میں سے اکثر کو یہ بات معلوم ہے کہ ہماری اس انجمن کا قیام ۴/ نومبر ۱۹۷۷ء کو عمل میں آیا تھا۔ اس موقع پر ملک کے مختلف حصوں سے فارغین جامعہ کی ایک بڑی تعداد نے اس میں شرکت کی تھی۔ اسی موقع پر انجمن کے قیام کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس کا دستور مرتب کیا گیا، نیز انجمن کے ترجمان مجلہ "حیات نو" کے اجراء کا فیصلہ ہوا اور یہ طے پایا کہ ہر دو سال بعد انجمن کا ایک عمومی اجلاس ہوا کرے گا جس میں گزشتہ دو سالوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے گا، نیز صدر، سکریٹری، خازن اور شوریٰ کا از سر نو انتخاب عمل میں آئے گا۔ گزشتہ تین اجلاسوں میں (پہلا ۷ تا ۸ مارچ ۱۹۸۰ء، دوسرا ۲۱ تا ۲۲ نومبر ۱۹۸۲ء اور تیسرا ۹ تا ۱۰ فروری ۱۹۸۵ء) فارغین جامعہ کا انجمن سے غیر معمولی لگاؤ دیکھنے میں آیا۔ ان اجلاسوں میں فارغین کی اچھی خاصی تعداد نے شرکت کی، اپنے

سرگرمیوں کا جائزہ لیا، علمی وادبی اور دعوتی وتنظیمی نشستیں ہوئیں اور آئندہ کے لیے منصوبے تیار کیے گئے۔ آج ہم کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تین سال بعد پھر یکجا ہونے کا موقع فراہم ہوا ہے تاکہ انجمن کا چوتھا اجلاس عام منعقد کریں۔ ہمیں اپنے پروگراموں اور منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا اندازہ آپ کو گزشتہ سہ سالہ رپورٹ سے ہو سکے گا۔ میری دانست میں ہماری اب تک کی سرگرمیاں اگر بہت لائق تحسین نہیں تو مایوس کن بھی نہیں رہی ہیں۔ یقیناً اس میں تقصیر وکوتاہی کا دخل بھی رہا ہے جس کا ہمیں اعتراف ہے۔

حضرات! آج ہم سب یہاں بہت سے مقاصد لے کر جمع ہوئے ہیں۔ اس اجلاس کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ ہم مقاصد انجمن کی روشنی میں اپنا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ ہم سے کہاں کہاں کیا کوتاہیاں ہوتی ہیں اور انھیں کس طرح دور کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات بھی مد نظر رکھنی چاہیے کہ ہماری یہ انجمن مادر علمی جامعۃ الفلاح کی دین ہے۔ یہ انجمن مقاصد جامعہ کے حصول کے لیے اس کے ساتھ قدم بقدم ملا کر چلتی ہے اور اس کی فلاح وبہبود اور بہتری کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتی ہے۔ انجمن کے دستور دفعہ ۲ میں اس کا ایک مقصد فارغین جامعہ کو مقاصد جامعہ کے حصول کے لیے منظم کرنا، جامعہ کی تعمیر وترقی میں ذمہ داران جامعہ کے ساتھ تعاون کرنا بہت واضح طور سے بتایا گیا ہے۔ الحمد للہ انجمن اپنے اس اہم مقصد پر پابندی کے ساتھ عمل پیرا رہی ہے اور مقاصد جامعہ کو بروئے کار لانے میں اس کے ساتھ ہر ممکن تائید وتعاون کرتی رہی ہے جسے خود جامعہ کے ذمہ داروں نے بھی محسوس کیا ہے اور اسے سراہا بھی ہے۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ جامعہ نے بھی اپنے فارغین کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ چونکہ جامعہ ہمارا ہے اور اس سے ہمارا رشتہ لازوال ہے لہٰذا جامعہ اور انجمن کے درمیان باہمی تعاون بھی ان شاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس کے لیے ہم خدا کے حضور دعا بھی کرتے ہیں۔

حضرات! اس اجلاس سے ہمیں یہ بہترین موقع حاصل ہوا ہے کہ ہم اپنے ملک اور پوری دنیا خصوصاً دنیائے اسلام کے موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں۔ آج عالم عام خصوصاً ہمارا ملک تباہی وبربادی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ مسلم اور اس ملک کے باشندے ہونے کے ناطے ہم اپنے اردگرد پائی جانے والی بے چینی، بد امنی، کرپشن، فتنہ وفساد، جھوٹ اور

بے اتفاقی نیز دیگر جرائم سے صرف نظر نہیں کرسکتے۔ ہمارے لئے یہ غور کا مقام ہے کہ ہم ان حالات میں کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ ہمارا وطن آج ایک نہیں بلکہ متعدد سنگین قسم کے بحران کا شکار ہے۔ پنجاب میں گزشتہ کئی برسوں سے قتل و غارت گری اور دہشت گردی کا سلسلہ، وار جنگ، اور تریپورہ میں جاری تشدد، بہار اور دیگر صوبوں میں پسماندہ طبقات کے ساتھ ناروا سلوک، یہاں کے اکثریتی طبقے کا اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال، ظلم و بدخواہی کے ہر قسم کے ہتھکنڈوں کا استعمال، آئے دن مسلم کش فسادات کا سلسلہ، مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت، ان کے پرسنل لا میں مداخلت، اسلامی تشخص کو ختم کرنے کی مسلسل سازشیں، بابری مسجد کو رام جنم بھومی میں تبدیل کرنا، نیز دیگر مساجد کو مندروں میں تبدیل کرنے کا منصوبہ، ملک دشمنی، فرقہ پرستی اور پٹرو ڈالر کے بے بنیاد الزامات، قرآن مجید پر پابندی عائد کرنے کے ناپاک عزائم، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف ہتک آمیز مضامین اور لٹریچر کی اشاعت، اپنی پسند کا مذہب اختیار کرنے کے دستوری حق پر پابندی کی کوششیں دوسرے لفظوں میں سارے ملک کو ایک مخصوص مذہب میں رنگنے کا منصوبہ، نوجوان نسل کو بے راہ روی کی طرف لے جانا، غیر مناسب اور متعصبانہ تعلیمی پالیسیاں، اردو زبان کے ساتھ بے انصافیاں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا اقلیتی کردار ختم کرنا، یہ اور اس قسم کے بے شمار مسائل ہیں جن کا آج مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مسئلہ آج صرف یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے برادران وطن کو اسلام کی دعوت سے روشناس کیسے کرائیں بلکہ ایک بڑا مسئلہ یہ ہمارے سامنے ہے کہ ہم خود اپنے ایمان کی حفاظت کیسے کریں۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مسلم سماج کی حالت بھی بڑی ناگفتہ بہ ہے۔ مسلمانوں کی عام طور سے اپنے دین سے بے توجہی، ان کے سماج میں غیر اسلامی افکار و نظریات کی مقبولیت، دین کے نام پر غیر اسلامی رسوم و رواج، مسلم علماء کے باہمی اختلافات اور رہنماؤں کی باہمی رسہ کشی، مسلم عوام کی دینی تعلیم سے بے تعلقی، عوام و خواص میں دنیا طلبی کی لہر، دین کو چند مخصوص امور تک محدود رکھنے کا رجحان، خواتین میں عریانیت و بے پردگی کا بڑھتا ہوا سیلاب، یہ اور اسی طرح کی دوسری بے شمار خرابیاں مسلم سماج کو کھوکھلا کئے دے رہی ہیں۔ ان حالات میں جبکہ ملک و ملت کی کشتی طوفان میں ہچکولے لے رہی ہے، مدارس اسلامیہ اور علمائے ہند پر بڑی ذمہ داریاں آن پڑی ہیں۔ ہمارے دینی مدارس اور علمائے کرام کو

پوری سنجیدگی سے سوچنا ہے کہ ان حالات میں انہیں کیا کرنا ہے اور ان پر ملک و ملت کے تعلق سے کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان حالات سے صرف نظر کر جانا اور اپنے فرض منصبی کو فراموش کر دینا درحقیقت خود فریبی کے مترادف ہوگا اور ایسی سنگین غلطی ہوگی جسے نہ انسانیت معاف کرے گی اور نہ تاریخ، اور جو ادارہ اس ذمہ داری کو محسوس کرکے اسے پورا کرنے کی پہل کرے گا وہ تاریخ ساز ادارہ ہوگا اور ملک و ملت کے لئے باعث رحمت ثابت ہوگا۔ یہاں کچھ ذمہ داریوں کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کاش کہ ہم ان ذمہ داریوں کو محسوس کرلیں۔

(۱) یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی بڑی اکثریت دینی مدارس اور علماء پر اعتماد رکھتی ہے اور خصوصاً دینی معاملات میں ان کی رہنمائی چاہتی ہے۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ امت کی اصلاح کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ ٹوٹی پھوٹی کوششیں برابر ہو رہی ہیں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی مدارس اور علمائے کرام کی طرف سے قرآن و حدیث کی روشنی میں مسلمانوں کی اصلاح اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل و قیام کی بھرپور جدوجہد کی جائے اور مسلمانوں کی زندگی کے معاملات میں رہنمائی کے فرائض انجام دیئے جائیں۔

(۲) دینی مدارس کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے یہاں ایسے علماء و فضلاء تیار کریں جو اسلام اور امت کے ماننے والوں کی خدمت کا صحیح جذبہ رکھتے ہوں اور وہ مسلمانوں کی اصلاح، ان کی ترقی و فلاح و بہبود کے لئے تمام مناسب تدابیر اختیار کریں۔ یہ علماء نہ صرف قرآن و سنت کا گہرا علم رکھتے ہوں اور صحیح دینی بصیرت کے حامل ہوں بلکہ ان کی نظر وقت کے اہم مسائل پر بھی ہو اور وہ غیر اسلامی نظریات سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ احیائے دین، شہادت حق اور اعلائے کلمۃ اللہ کا صحیح جذبہ ان کے قلوب میں موجزن ہو۔ فقہ میں گہری بصیرت انہیں حاصل ہو، تمام فقہی مسالک پر ان کی نظر ہو، وہ صحیح معنوں میں ایسے داعی ہوں جو اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کے لئے اور ان بندوں کی خدمت کے لئے مخصوص کریں۔

(۳) ہمارے دینی مدارس اور علماء، جو انبیاء کے جانشین ہیں، کے لئے ضروری اور لازمی ہے کہ وہ اپنے درمیان پائے جانے والے بُعد کو دور کریں، اختلافات کو ختم کریں، فقہی، مسلکی تشدد کا رویہ اپنانے کے بجائے تسامح، وسعت قلبی کا ثبوت دیں، باہمی تعلقات کو مضبوط بنائیں، گروہی، جماعتی

اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے اور ملک و ملت کی اصلاح و تعمیر کے کاموں میں اپنے کو لگا دیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام دینی مدارس حساس دل کی ایک دھڑکن بن جائیں اور دین کے ایسے مرکز ثابت ہوں جہاں سے مسلم امت کی صحیح خدمت و قیادت ہو سکے اسلام کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو دور کیا جا سکے اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے بندگانِ خدا کو روشناس کرایا جا سکے۔

(۴) آج دینی مدارس اور علماء کی ذمہ داری ان برادران وطن یعنی غیر مسلموں کے سلسلے میں بہت بڑھ گئی ہے۔ ہمارے ملک کا اکثریتی طبقہ اسلام سے ناآشنا ہے بلکہ بڑی غلط فہمیوں کا شکار ہے۔ برادران وطن کا تعلیم یافتہ اور سمجھدار طبقہ اپنی MYTHOLOGY سے بیزار نظر آتا ہے۔ ان کے پاس ملک کے موجودہ بگاڑ کا کوئی حل نہیں ہے، سارے نظریات فرسودہ ہو چکے ہیں وہ آج ایک قسم کے ذہنی تناؤ میں مبتلا ہیں۔ دوسری طرف برادران وطن کا ایک مخصوص گروہ اسلام اور مسلمانوں کو بے دخل کرنے اور بدنام کرنے کی مسلسل اور منظم کوششوں میں مصروف ہے۔ ان حالات میں بھی اگر ہم نے اپنے فرض سے غفلت برتی تو یہ ہماری بڑی بدنصیبی ہوگی جس کے انجام سے دنیا میں بھی دوچار ہونا پڑے گا اور خدا کے حضور بھی جواب دہی کرنی پڑے گی۔ بھٹکے ہوؤں کو راہ راست پر لانے کی کوشش اب ہمارا کام ہے کیونکہ نبیوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اصل خدمت یہ انجام دی کہ انھوں نے بھٹکے ہوئے بندگانِ خدا کو مخاطب کیا تاکہ وہ جہنم سے بچ سکیں اور جنت کے مستحق ہو سکیں۔ دعوۃ الی اللہ در اصل اسی چیز کا نام ہے۔ آج انبیاء کے اصل وارثین اور جانشین دینی مدارس کے علماء ہی ہیں۔ اس لئے وہ خود بھی غیر مسلموں کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور ملت کو بھی اس سے آگاہ کریں۔ برادران وطن کو اسلام کی دعوت دیں۔ ان کے ذہنوں میں اسلام کے خلاف پائے جانے والے شبہات کا ازالہ کریں تاکہ اسلام کے سلسلے میں ان کی معاندانہ روش قائم نہ رہے۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ شہادۃ علی الناس کا یہ فریضہ اسی وقت انجام پا سکتا ہے جب کہ ہم اسلام کا سچا نمونہ بن جائیں، تمام انسانوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کا معاملہ کریں اور اسلام کی بنیاد پر متفق اور منظم ہوں۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ہمیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جب تک غیر مسلم بھائیوں کے ذہن میں

اسلام کا صحیح تصور نہ ہوگا اس وقت تک نہ مسلمان ہندوستان میں محفوظ رہ سکے گا اور نہ اسلام۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے مسائل کا حل بھی یہی ہے کہ ہم برادران وطن کو اسلام سے روشناس کرائیں اور ان کی غلط فہمیاں دور کریں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام ہندوستان اور اس کے نواح میں علماء، صوفیاء اور اولیاء اللہ کے دعوتی کاموں کے نتیجے میں پھیلا۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ گزشتہ کئی صدیوں سے ہم نے اپنے اس فریضے سے بے اعتنائی برتی ورنہ ہمارا وطن ہندوستان اسلام کی ضیا پاشیوں سے منور ہو جاتا۔ الحمد للہ! جو لوگ یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں ان کے تجربات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ان کی کوششوں کے نتائج بہت امید افزا ہیں۔ غیر مسلموں کی کافی تعداد اسلام کی آغوش میں آ چکی ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ تعلیم یافتہ غیر مسلموں میں اسلام سے واقفیت کا شوق بڑھ رہا ہے۔

حضرات! جس کو اس زمین پر اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کا فریضہ انجام دینا ہے وہ دنیا کے حالات سے کبھی بے خبر نہیں رہ سکتا۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آج سارا عالم ایک انتہائی تشویشناک صورت حال سے دوچار ہے۔ خود عالم اسلام بحران کا شکار ہے، ایران عراق جنگ ایک خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے جس میں بے شمار مسلم جانیں ضائع اور کروڑوں کی املاک تباہ و برباد ہو رہی ہیں۔ وہ طاقت اور دولت جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور فروغ اسلام میں صرف ہونی چاہئے تھی خود مسلمانوں کو تباہ کرنے میں استعمال ہو رہی ہے۔ افغانستان میں روسی سامراجیت کا بدترین دور اور مجاہدین افغانستان کی اپنی آزادی و بقا کے لئے ہر طرح کی قربانیاں آپ کے سامنے ہیں، الحمد للہ اب ایسے آثار نظر آ رہے ہیں کہ مجاہدین اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ فلسطینی مسلمانوں پر صیہونیوں کا مسلسل ظلم و ستم جاری ہے، فلپائن، برما اور بہت سے ممالک میں بھی مسلمان سخت حالات سے دوچار ہیں۔ سری لنکا میں وہاں کے مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کا کوئی مناسب بندوبست نہیں ہو سکا ہے۔ یہ اور اسی قسم کی مشکلات سے دنیا کو سامنا ہے۔ ان حالات میں ہم پر کم از کم جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حق اور مظلوم کی مدد اور اس کی تائید کریں۔ اپنے قلم و زبان کی طاقت سے حالات کو سازگار بنانے کی سعی و کوشش کے ساتھ ساتھ اللہ سے دعا بھی کریں کہ وہ حالات درست فرمائے۔ مسلمانوں کو بھائیوں کی طرح رہنا سکھائے اور

کا تڑپ ان کے دلوں میں پیدا کر دے۔

حضرات! ہماری اس درس گاہ کا مقصد صاحب بصیرت علماء تیار کرنا ہے تاکہ وہ دین پر وہ اللہ کا پیغام سنا کر بنی نوع انسان کو ان کے دکھوں سے نجات دلائیں۔ موجودہ صورت حال میں ہم کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے ادارے سے کس معیار کے افراد فارغ کریں۔ اب یہ بات عام طور سے محسوس کی جا رہی ہے کہ ہمارے دینی مدارس وہ مطلوبہ افراد تیار کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں جن کی اسلام کو ضرورت ہے اور اس ناکامی کا بہت بڑا سبب ہمارا نصاب تعلیم اور طریقہ تدریس معلوم ہوتا ہے اور یہ اصحاب علم بظاہر دعوت اصلاح سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کی وجہ سے انبیاء کے مشن کی ذمہ داری ظاہر ہے مسلمانوں اور خاص طور سے علماء پر آتی ہے۔ ہمیں داعی کی حیثیت سے اپنے مخاطبین کی نفسیات، حالات و کوائف سے واقف ہونا ضروری ہے۔ دور جدید علوم سے واقف ہونا بھی ضروری ہے جن کا سہارا لے کر اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کی جاتی ہیں۔ اس لئے مدارس اسلامیہ کو جو اس روح کے امین ہیں اپنے نصاب تعلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں مدارس اسلامیہ کے مسائل کے موضوع پر ہمارا سیمینار ایک تقریبی کوشش اور خوشگوار پیش رفت ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ الحمدللہ ہماری دعوت خوش دلی سے قبول کی گئی۔

ہم ایسے نصاب تعلیم رائج کرنا چاہتے ہیں جس میں دینی اور دنیوی تعلیم کا بہترین امتزاج ہو، یعنی دینی مدارس میں ایسے علماء و فضلاء تیار ہوں جو دنیا سے بے خبر نہ ہوں۔ ان مدارس سے ایسے افراد نکلیں جو زندگی کے ہر میدان میں قیادت و رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتے ہوں۔ مروجہ سرکاری نصاب میں جو خامیاں اور غلطیاں ہیں ان سے عوام کو روشناس کرانے کی ذمہ داری بھی مدارس علماء پر عائد ہوتی ہے۔

حضرات! ہماری مادر علمی جامعۃ الفلاح کے قیام کا مقصد بھی یہی ہے۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ اپنے نصاب تعلیم کو عصری تقاضوں کے پیش نظر بہتر سے بہتر اور نتیجہ خیز بنانے کی مسلسل جد و جہد جاری ہے۔

اب ہمیں یہ جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کہاں تک اپنی کوششوں میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ یہ بات بھی ہمارے ذہن میں رہنی چاہئے کہ ملت کا یہ عظیم کام کسی ایک ادارے کے بس کا نہیں بلکہ ضرورت

احساس کی ہے کہ ملک کے تمام دینی ادارے اس مسئلہ پر غور کریں اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ یہ کام ایک عظیم اور مسلسل جد و جہد کا متقاضی ہے۔

حضرات! اس موقع پر انجمن طلبۂ قدیم کے آرگن مجلہ "حیات نو" کو ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ ہم نے اپنے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ایک ماہنامہ کا اجراء مجلہ "حیات نو" کے نام سے کیا جس کا اجراء انجمن کے قیام کے فوراً بعد شروع ہوا۔ اس ماہنامہ کی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز آئے، لیکن الحمدللہ ادھر کئی سالوں سے انجمن نے اس پر خصوصی توجہ دی ہے جس کے نتیجے میں وہ پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ ہمارا مقصد یہ سمجھا ہے کہ اس مجلہ کے ذریعے نصاب تعلیم پر دعوت فکر و نظر دی جائے اس کے ساتھ ساتھ ہمارا یہ مجلہ جامعہ کے حالات، اس کی رفتار ترقی اور ملک و ملت کے حالات سے باخبر کرنے نیز اسلام کی دعوت اور اسلام کے سلسلے میں شکوک و شبہات کو دور کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

حضرات! اس موقع پر اگر ہم اپنے مشفق اساتذہ کرام اور مخلص ذمہ داران جامعہ کا ذکر خیر نہ کریں تو یہ بڑی حق تلفی اور ناشکری کی بات ہوگی۔ ہم یہی کہیں گے کہ آپ نے ہم پر جتنے احسانات کئے ہیں ان کا اجر آخرت میں آپ کو ملتا رہے گا۔ آپ جو خدمات انجام دے رہے ہیں وہ در اصل پیغمبروں کا کام ہے طالبان علم ہمارے سامنے اپنے علم کی پیاس بجھاتے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ آپ کو یہ کا فرض منصبی ہے ورنہ چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق ہے۔ فی الحقیقت طلبہ آپ کے پاس قوم کی امانت ہیں۔ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ اس امانت میں خیانت کریں گے۔

آپ سے بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے کہ آپ طلبہ کے تعلیمی مشاغل اور ان کی تربیت میں بھرپور دلچسپی لیں گے۔ ان کے علمی اور اخلاقی معیار کو بلند سے بلند تر کرنے کے لئے فکر مند رہیں گے اور تدابیر سوچتے رہیں گے۔ انھیں آپ کی رہنمائی اور دعاؤں کی ضرورت ہے۔ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ معلم اعظم اور مربی خاتم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے بہترین اور مؤثر نمونہ ہے اور اسی نمونہ پر عمل پیرا ہو کر ہم منزل مقصود کو پا سکتے ہیں۔

محترم اساتذہ و ذمہ داران جامعہ! آج ملک و ملت کو جس طرح کے علماء و رہنماؤں کی ضرورت ہے ایسے علماء اور رہنما تیار کرنے کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے۔ کتنا عظیم اور مبارک ہے یہ کام! ان شاء اللہ اس کے نتائج دنیا میں بھی باعث رحمت ثابت ہوں گے اور آخرت میں بھی۔ آپ سے ہمیں

کامل توقع ہے کہ جامعہ جن مقاصد کے تحت وجود میں آیا ہے ان کو آپ کبھی فراموش نہ کریں گے اور اس سلسلہ کی اپنی ذمہ داریوں کا احساس آپ کو ہمیشہ بے چین رکھے گا۔

اب چند باتیں اپنے عزیز طلبہ سے کہنا چاہوں گا جو یہاں زیر تعلیم ہیں۔

عزیز طلبہ! آپ کے دم سے جامعہ میں رونق ہے۔ اس شمع علم و دانش کے آپ ہی پروانے ہیں۔ آپ کے والدین نے آپ کو جن مقاصد کے حصول کے لئے یہاں بھیجا ہے ان کا آپ کو بخوبی علم ہونا چاہئے اور آپ ان کو حاصل کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف رہیں۔ آپ کو جیسے اساتذہ میسر ہیں ان سے بھرپور استفادہ کریں۔ لائبریری سے بھرپور استفادہ کریں۔

آپ کو اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا کہ اس وقت دنیا کو جس معیار اور صلاحیت کے اسلامی داعیوں کی ضرورت ہے آپ خود کو اس کے لئے تیار کرنے کی کہاں تک کوشش کررہے ہیں۔ ہمیں عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد زندگی بھر پر شدت سے احساس ہوا کہ ہمیں مادر علمی کے ساز گار ماحول میں رہتے ہوئے جو مواقع اور ذرائع حاصل تھے ہم نے ان کی قدر نہیں کی اور اس تشنگی کا احساس ہمکو زندگی بھر رہے گا۔ ساتھ ہی انتہائی افسوس کے ساتھ ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے بعد اس ادارہ میں سانس لینے والے بھائی بھی کوتاہی کا شکار نظر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ سے گہری محبت و خلوص کے ساتھ میں کہوں گا کہ آپ اس غلطی کا شکار نہ ہوں جس کا خمیازہ ہم بھگت رہے ہیں۔ یاد رکھئے آپ کو جو وقت اور سکون یہاں میسر ہے یہاں سے فراغت کے بعد نصیب نہ ہوگا۔ آپ ان اوقات کی قدر جانئے اور انہیں غنیمت سمجھئے۔ یاد رکھئے کہ مقاصد جامعہ آپ ہی سے وابستہ ہیں اس لئے اس کے شایان شان اپنا علمی و اخلاقی معیار متعین کریں اور ہمیشہ اس کے حصول کے لئے کوشاں رہیں۔ اس راہ میں آنے والی دشواریوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں۔

یاد رکھئے کہ یہاں سے فراغت کے بعد آپ پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہونے والی ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے ابھی سے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔ اور دنیا کے سامنے داعی کے روپ میں نمودار ہونا ہے۔ دین کا رنگ آپ پر غالب رہے۔ آپ کی ہر ہر ادا سے اسلامی روح کی ترجمانی ہو۔ غیر اسلامی افکار سے آپ دور رہیں اور دنیا کے حالات سے بھی واقف و باخبر۔

عزیز طلبہ! ایک تشویشناک صورت حال ہمارے یہاں پیدا ہوتی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے

بہت سے بھائی تعلیم ادھوری چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اس کے جو نقصانات ہیں وہ ہم سب پر عیاں ہیں۔ ایک طرف تو خود ہم ناقص رہ جاتے ہیں دوسری طرف جامعہ کے عظیم مقاصد کی پامالی کا ہم سبب بنتے ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ تعلیم کو مکمل کئے بغیر ہم جامعہ کے مقاصد کے حصول میں ایجابی رول ادا نہیں کرسکتے۔

آخر میں چند گزارشات اپنے ہمسفر فارغین جامعہ سے کرنا چاہوں گا۔

آپ میں سے کتنے ہی ہیں جو دنیا کے مختلف گوشوں میں تحصیل علم اور روزگار کے سلسلے میں پہنچ چکے ہیں۔ کچھ ملک کی یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں اور کچھ تعلیم سے فارغ ہوکر اپنے مقصد کی بجا آوری کے لئے ہمہ تن مصروف ہیں۔ ہم میں کچھ وہ ہیں جو فراغت کے بعد ہی سے تشنگان علم کے لئے سیرابی کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو درس و تدریس سے ہٹ کر شہادت حق، دعوۃ الی اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہمہ تن سرگرم ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہمارے اندر ساری ہی خوبیاں موجود ہیں اور ہم میں سے ہر ایک زندگی کے اعلیٰ مقصد سے وابستہ ہے۔ اگر ہم ایسا سوچیں تو یہیں سے ہماری تنزلی کا آغاز ہوگا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم میں بہت سے فارغین ایسے بھی ہیں جو اپنے مقصد وجود سے بہت دور ہوتے جارہے ہیں۔ نہ انہیں علم سے کوئی لگاؤ ہے اور نہ دعوت و تبلیغ سے۔ یہ صورت حال بڑی ہی تشویشناک ہے اور ہم سب کے لئے خطرناک بھی۔ ہمیں حکمت اور محبت کے ساتھ اپنے بھائیوں کی خامیاں دور کرنی ہیں اور ان کو سنبھالنا ہے۔ ہم جسد واحد ہیں۔ ہمیں باہمی تعلقات استوار کرنے ہیں اور جامعہ و انجمن کے مقاصد کی روشنی میں اپنا جائزہ لیتے رہنا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمیں اپنی مادر علمی سے دلی محبت ہے جس کا فطری تقاضا ہے کہ ہماری ذات اس کی نیک نامی کا سبب بنے اور ہم اس پر ہمیشہ نظر رکھیں کہ ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس سے مادر علمی پر انگلی اٹھانے کا کسی کو موقع ملے۔

- قرآن و سنت سے ہمارا رشتہ مضبوط رہے اور ہم ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم سمجھیں علم حاصل کرنے کی فکر برابر ہمارے اندر موجود ہو خواہ ہم زندگی کے کسی میدان میں کام کیوں نہ کررہے ہوں۔
- ہم حالات حاضرہ پر نظر رکھیں اور غیر اسلامی نظریات و مذاہب کا مطالعہ بھی کرتے رہیں، تاکہ صحیح و غلط میں فرق کرسکیں اور حسب حال دوسروں کی رہنمائی کا ذریعہ بن سکیں۔
- ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھی ہماری یہ ذمہ داری ہے اور ایک عالم دین کی حیثیت سے بھی

کہ ہم اسلامی اخلاق و کردار کے حامل نہیں۔ کوئی وقتی جذبہ ہمارے کردار کو متزلزل نہ کر سکے۔ دراصل یہی وہ ذریعہ ہے جس سے ہم اپنی آخرت بھی سنوار سکتے ہیں اور دنیا بھی۔ اچھے اور عملی کردار میں وہ قوت ہے کہ سامنے والے دوسرے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پھر ہمارا یہ اخلاق و کردار زندگی کے ہر میدان میں نمایاں ہونا چاہیے خواہ ہم طالب علم ہوں یا تجارت پیشہ، کاشت کار ہوں یا ملازم۔ اچھے کردار کا اظہار بذات خود بہت بڑی تبلیغ ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ اس تلوار سے بھی کردار کی تلوار سے اسلام کے بڑے بڑے مخالف رام ہوئے ہیں اور اسلام کے گن گانے لگے ہیں۔ کاش کہ ہم اس طرف توجہ کریں اور اپنی عاقبت سنوار سکیں۔

ہم اسلام کے فروغ کا باعث بنیں۔ اس فریضہ کو ہم کبھی نہ بھولیں۔ زندگی کا کوئی مشغلہ ہمیں اس فریضہ سے غافل نہ کر سکے۔ اسلام کو پھیلانے اور دین کو غالب کرنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں ان میں سرگرمی سے حصہ لیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اصلاح و رہنمائی کا عظیم کام بھی ہمیں کرنا ہے اور گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر پوری وسعت قلب کے ساتھ اصلاح معاشرہ کا فریضہ انجام دینا ہے۔ نیز مسلمانوں میں پائے جانے والے اختلافات کو ختم کرنا ہے جن کی وجہ سے مسلمان باہم دست و گریباں ہیں اور جنھوں نے اسلامی و دینی مفاد پس پشت ڈال رکھا ہے۔

جامعۃ الفلاح سے فارغ طلبہ یہ فریضہ حسن و خوبی انجام دے سکتے ہیں اور انھیں یہ فریضہ انجام دینا ہے۔

ایک اور ضروری بات فارغین جامعہ سے یہ کہنا چاہوں گا کہ آپ اپنی مادر علمی کی توسیع و ترقی اور معیار کو مزید بلند کرنے نیز انجمن کی خیر و فلاح کے لئے ہمیشہ غور و فکر کرتے رہیں، حسب استطاعت مسلسل کوششیں کرتے رہیں، اور دوسرے برادران کو بھی ہمیشہ اس فرض کی ادائیگی کے لئے متوجہ کرتے رہیں۔ اپنے مشوروں اور عملی زندگی کے تجربات سے عزیز دوستوں کو مطلع کرتے رہیں۔ یہ آپ کی جانب سے مادر علمی اور انجمن کے لئے بہترین عطیہ ہوگا۔

قارئین سامعین! اب میں آپ کی توجہ ایک انتہائی نازک حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں اور چاہوں گا کہ آپ اس پر انتہائی سنجیدگی کے ساتھ غور کریں۔

باقی ص ۴۲ پر

جناب مولانا ابوبکر اصلاحی صاحب
استاذ جامعۃ الفلاح

فلاحِ آخرت

انجمن کے چوتھے دوسالہ اجلاس کے تیسرے دن ۴ ر فروری ۱۹۸۶ء کو بعد نماز فجر استاذ محترم جناب مولانا ابوبکر اصلاحی صاحب نے درس حدیث دیا تھا۔ یہ درس من و عن حاضر خدمت ہے۔ (ادارہ)

عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او امرأة ینکحها فهجرته الی ما هاجر الیه۔ (رواه البخاری)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ تمام اعمال کے نتائج نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر شخص کیلئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی لہٰذا جس کی نیت دنیا حاصل کرنے کیلئے ہوگی یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہوگی تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی ہجرت اسی کام کیلئے گنی جائیگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔

ہجرت بہت بڑی قربانی ہے۔ اپنے متعلقین، عزیز و اقارب، خاندان و قبیلہ اور مکان و جائداد کو چھوڑ کر کسی اجنبی مقام پر جا بسنا بڑی اہمیت رکھتا ہے لیکن مہاجر کو اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اسی وقت ملے گا جب کہ اس نے یہ عظیم کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انجام دیا ہو۔ اور اگر ہجرت کسی اور غرض و مقصد اور کسی دوسری نیت سے کی ہو تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی ہجرت اسی مقصد کے لئے گنی جائے گی۔ ہجرت کر کے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو یا ناکام، اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسی ہجرت کا اسے بہر حال کوئی صلہ نہیں ملے گا۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله لا ینظر

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری

الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم۔ (رواہ مسلم)

اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ اسکی نظر تمہارے قلوب اور اعمال پر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تمہاری شکلیں کیسی ہیں، تم گورے ہو یا کالے، لمبے ہو یا ناٹے، موٹے ہو یا دُبلے۔ نہ اس سے دلچسپی ہے کہ تم مال و دولت رکھتے ہو، زمین و جائداد کے مالک ہو، فلیٹ اور بلڈنگ رکھتے ہو یا غریب و خستہ حال ہو، تندرست و توانا ہو اور فقیر و مسکین ہو۔ تم جس حال میں بھی ہو، وہ تمہارے اعمال پر نظر رکھتا ہے کہ وہ کیسے ہیں، اطاعت والے ہیں یا نافرمانی والے، اور ان اعمال کے سلسلے میں تمہاری نیتیں کیا ہیں اور تمہارے قلوب کی کیفیت کیسی ہے۔ اگر اعمال اچھے ہیں اور نیتوں میں بھی اخلاص ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں ورنہ اس کے نزدیک مردود۔ محشر کے روز فیصلہ اعمال اور قلوب کی کیفیت کے مطابق ہوگا، نہ کہ صورتوں اور اموال و اسباب کے مطابق۔ بلکہ یہ تو اس دن اور وہاں چل ہی نہ سکیں گے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اول الناس یقضی علیه یوم القیامة رجل استشهد فاتی به فعرفه نعمه فعرفها فقال فما عملت فیها؟ قال قاتلت فیك حتی استشهدت قال کذبت ولکنك قاتلت لان یقال جری فقد قیل ثم امر به فسحب علی وجهه حتی القی فی النار ورجل تعلم العلم وعلمه وقرء القرآن فاتی به فعرفه نعمه فعرفها قال فما عملت فیها؟ قال تعلمت العلم وعلمته

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلا شخص جس کا قیامت کے دن فیصلہ چکایا جائیگا وہ شہید ہوگا۔ شہید حاضر کیا جائیگا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمت یاد دلائیگا وہ تسلیم کریگا، اللہ تعالیٰ سوال کریگا کہ تو اس سلسلے میں تو نے کیا کیا؟ وہ کہیگا میں نے تیری راہ میں جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو نے غلط کہا، تو نے تو جنگ اسلئے کی تھی کہ تجھے بہادر کہا جائے تو دنیا میں تجھے بہادر کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیگا اور اسکے فیصلے کے مطابق اسے گھسیٹ کر جہنم میں ڈالدیا جائیگا۔ ایک دوسرا آدمی ہوگا جسکو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائیگا، وہ عالم دین ہوگا، معلم ہوگا اور قرآن کا پڑھنے والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی سب نعمتیں یاد دلائیگا اور وہ انھیں تسلیم کریگا، تب اس سے کہیگا

وقرأت فیك القرآن، قال کذبت ولکنك تعلمت العلم لیقال انك عالم وقرأت القرآن لیقال هو قاری فقد قیل ثم امر به فسحب علی وجهه حتی القی فی النار ورجل وسع الله علیه واعطاه من اصناف المال کله فاتی به فعرفه نعمه فعرفها قال فما عملت فیها؟ قال ما ترکت من سبیل تحب ان ینفق فیها الا انفقت فیها لك قال کذبت ولکنك فعلت لیقال هو جواد فقد قیل ثم امر به فسحب علی وجهه ثم القی فی النار۔

(رواہ مسلم)

ان نعمتوں کو پاکر عمل کیسا رہا؟ وہ کہیگا مالک میں نے تیری خاطر تیرا دین سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور قرآن کو بغور مطالعہ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹی بات کہی، تو نے دین اس لئے سیکھا اور سکھایا اور قرآن کا گہرا علم اسلئے حاصل کیا کہ لوگ تجھے عالم کہیں، تو تیری نیت کا ثمرہ تجھے دنیا میں مل چکا۔ پھر اسکے لئے بھی جہنم کا فیصلہ ہوگا چنانچہ منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے اسے جہنم میں ڈالدیا جائیگا۔ تیسرا آدمی وہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کشادگی بخشی تھی اور ہر قسم کی دولت سے نوازا تھا اسکو حاضر عدالت کیا جائیگا اسے بھی ساری نعمتیں یاد دلائی جائیں گی اور وہ تسلیم کریگا۔ پھر پوچھا جائے گا کیا کرکے آئے ہو؟ وہ کہیگا مالک جن جن مدوں میں خرچ کرنا تجھے پسند تھا ان سب میں میں نے خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی جھٹلائیگا اور کہیگا تو نے تو اسلئے خرچ کیا تھا کہ لوگ تجھے سخی اور فیاض کہیں، سو یہ لقب تجھے مل چکا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے لیجا کر جہنم میں ڈالدیا جائیگا۔

شہید، عالم کے درجے اور مرتبے کا کیا کہنا۔ اسی طرح فیاضی اور سخاوت، داد و دہش کی فضیلت میں کہاں شک و شبہ کی گنجائش۔ لیکن یہ عظیم کارنامے انجام دینے والے اور بے مثل قربانی دینے والے بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز قابل قدر نہیں ہوں گے۔ اگر انھوں نے یہ سارے کام نام و نمود اور دنیوی غرض کے لئے کئے اور اللہ کی رضا پیش نظر نہیں رکھی، ایسی صورت میں اجر و ثواب کا کیا سوال، وہاں ہی وبال ہوگا اور جیسا کہ فرمایا گیا، اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق فرشتے انھیں منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جائیں گے اور جہنم میں جھونک دیں گے۔

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالی من جاء بالحسنة فله عشر امثالها وازيد ومن جاء بالسيئة فجزاء سيئة مثلها او اغفر ومن تقرب مني شبرا تقربت منه ذراعا ومن تقرب مني ذراعا تقربت منه باعا ومن اتاني يمشي اتيته هرولة ومن لقيني بقراب الارض خطيئة لا يشرك بي لقيته بمثلها مغفرة۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو کوئی نیک کام کریگا اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا اور میں زیادہ بھی کرتا ہوں اور جو کوئی برا کام کریگا تو برائی کا بدلہ برائی کے برابر ہی ہے اور میں معاف بھی کر دیتا ہوں۔ اور جو بندہ مجھ سے بالشت بھر قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ہاتھ بھر قریب ہوتا ہوں اور جو بندہ مجھ سے ہاتھ بھر قریب ہوتا ہے میں اس سے گز بھر قریب ہوتا ہوں اور جو بندہ میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر پہنچتا ہوں اور جو بندہ زمین کے برابر غلطی کر کے میرے دربار میں حاضر ہو جاتا ہے اور شرک نہیں ہوتا ہے تو میں اس کے برابر مغفرت کے ساتھ اس کا استقبال کرتا ہوں۔

بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شفقت و رحمت دیکھئے کہ اسے ہاتھ، پیر، کان، ناک اور دل و دماغ دیئے اور ہر طرح کی صلاحیتوں سے مزین کر دیا اور آسمان و زمین میں اس کی ضرورت کے سارے سامان بکھیر دیئے۔ بندہ ان کو استعمال کرتا ہے اور ان سب سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن اپنے محسن آقا کو بھولا رہتا ہے، اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ گناہوں سے اپنے آپ کو آلودہ کر لیتا ہے، پھر بھی مالک اس کے لئے اپنا دروازہ کھلا رکھتا ہے اور اس کے استقبال کے لئے تیار رہتا ہے۔ بندہ مالک کی طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو وہ اس کی طرف ایک ہاتھ آگے بڑھ آتا ہے۔ بندہ ایک ہاتھ مالک کی طرف بڑھتا ہے تو مالک ایک گز اس کی طرف آتا ہے اور بندہ چل کر اپنے آقا کی طرف جاتا ہے تو آقا دوڑ کر اس کی طرف پہنچتا ہے۔ بندہ نیکی کرتا ہے تو دس گنا اجر دیتا ہے اور اس سے زیادہ بھی دیتا ہے، اور برائی کرتا ہے تو اس کے برابر ہی بدلہ دیتا ہے بلکہ معاف بھی کر دیتا ہے۔ بندہ شرک کے علاوہ زمین کے برابر گناہ کر کے مالک کے در پر پہنچتا ہے تو شفیق آقا

اس کے مثل مغفرت کے ساتھ اس سے ملتا ہے۔ کیا شان کریمی ہے اس مشفق آقا کی۔

عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل یقول یوم القیامة یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی قال یا رب کیف اعودک وانت رب العلمین قال اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعدہ اما علمت انک لو عدته لوجدتنی عندہ یا ابن آدم استطعمتك فلم تطعمني قال يا رب كيف اطعمك وانت رب العلمين قال اما علمت انه استطعمك عبدي فلان فلم تطعمه اما علمت انك لو اطعمته لوجدت ذلك عندي يا ابن آدم استسقيتك فلم تسقني قال يا رب كيف اسقيك وانت رب العلمين قال استسقاك عبدي فلان فلم تسقه اما علمت انك لو سقيته وجدت ذلك عندي

(مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن فرمائیگا اے ابن آدم میں بیمار ہوا تو تونے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ کہے گا اے آقا میں تیری عیادت کیسے کرتا تو تو آقائے کائنات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو تونے اس کی عیادت نہیں کی اگر تونے اسکی عیادت کی ہوتی تو تو میرے یہاں پاتے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے نہیں کھلایا۔ بندہ کہیگا اے آقا میں تجھے کیا کھلاتا، تو تو سارے جہان کا پالنہار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا۔ تونے نہیں کھلایا۔ تجھے نہیں معلوم اگر تونے اسے کھلایا ہوتا تو اسے میرے یہاں پاتے۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا، تونے مجھے نہیں پلایا۔ بندہ کہے گا مالک! میں تجھے کیا پلاتا، تو تو خود سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا، تونے نہیں پلایا، تجھے نہیں معلوم تھا کہ اگر تونے اسے پلایا ہوتا تو اسے میرے یہاں پاتے۔

آج بھی لوگ مریض ہوتے ہیں، خوش قسمت ہیں وہ جو عیادت کا حق ادا کرتے ہیں۔ لوگ بیمار کے

اور پیاسے ہوتے ہیں اور لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں، خوش نصیب ہیں جو انہیں آسودہ کرتے ہیں۔ لوگ پھٹے پرانے کپڑوں میں ہوتے ہیں اور وہ پوشی کے لئے درخواست کرتے ہیں، خوش نصیب ہیں جو انہیں لباس پہناتے ہیں۔ کیونکہ قیامت کے روز وہ خدا کا کام کئے جا چکے ہیں

سچ فرمایا صادق مصدوق صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ۔ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے تو لوگوں میں اللہ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ بھلا برتاؤ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری کیجئے پھر دیکھئے کہ وہ کس کس طرح نوازتا ہے۔

عن انس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان الصابر فیہم علی دینہ کالقابض علی الجمر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئیگا جس میں اپنے دین پر قائم رہنے والے کا حال، ہاتھ میں انگارہ لینے والے جیسا ہوگا۔

(رواہ الترمذی)

گویا ایسے سخت و شدید حالات ہوں گے کہ دین پر قائم رہنے والے کی شان ہاتھ میں انگارہ لینے والے کی ہوگی۔ بہرحال حالات کتنے ہی سخت و شدید ہوں اور دین پر قائم رہنا کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو، اللہ کے بندے اس کے دین سے نہ ہٹیں گے۔ اسی لئے تو فرمایا:

عن انس بن مالک قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وددت انی لقیت اخوانی قال فقال اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحن اخوانک قال انتم اصحابی ولکن اخوانی الذین آمنوا بی ولم یرونی۔ (رواہ احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنے بھائیوں سے ملنے کا شوق ہے تو صحابہ نے کہا کہ ہم آپ کے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو میرے اصحاب (ساتھی) ہو، میرے بھائی وہ ہوں گے جو مجھ پر ایمان لائیں گے اور مجھے دیکھے نہ ہوں گے۔

بلاشبہ صحابہ کرام کا مرتبہ بہت ہی عالی و ارفع ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو

دیکھا، آپ کی تقریر و گفتگو سنی، آپ کے کردار و اخلاق کو پرکھا، آپ کی زبان سے پیغام حق سنا اور ایمان لائے، اور ایمان کو عمل کی مطابقت سے سچا کر دکھایا اور رضائے الٰہی کی نوید جانفزا (رضی اللہ عنہم) سننے کے مستحق ٹھہرے۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے آپ کا زمانہ نہیں دیکھا، آپ کا کلام نہیں سنا، آپ کی تقریر و خطابت سے استفادہ نہیں کیا، نہ آپ کا کردار دیکھا، نہ آپ کا اخلاق پرکھا، بس حرف کتابوں ہی سے استفادہ کیا یا علمائے دین کی تعلیمات سے بہرہ ور ہوئے اور ایمان لائے، کتنے قدر دان ہیں یہ لوگ، اسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنئے کہ مجھے اپنے بھائیوں سے ملاقات کا اشتیاق ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا تبصرہ فرمایا انہیں پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ اور کیوں نہ فرماتے جب کہ وہ آنحضورؐ کے صد درجہ شیدائی ہوں گے۔

عن ابی هریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان من اشد امتی لی حبا ناس یکونون بعدی یود احدہم لو رآنی باہلہ ومالہ۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے مجھ سے شدید ترین محبت کرنیوالے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو میرے بعد ہوں گے (آئیں گے) وہ چاہیں گے کہ کاش اپنے اہل و عیال اور مال کو نذر کر دیتے اور ایک جھلک مجھے دیکھ پاتے۔

آپ کے پیغام سے اور آپ کی ذات سے ان کو اس درجہ شدید محبت ہوگی کہ وہ تمنا کرتے ہوں گے کہ کاش اپنا سب کچھ وہ قربان کر دیتے اور آپ سے شرف ملاقات حاصل کر لیتے۔ اسی لئے تو پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے شدید محبت ہوگی اور ان سے ملاقات کا اشتیاق ہوگا، اور اسی لئے تو آپ نے خوشخبری سنائی ہے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم طوبیٰ لمن آمن بی ورآنی مرۃ وطوبیٰ لمن آمن بی ولم یرنی سبع مرات۔ (رواہ احمد)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ پر ایمان لایا اور مجھے دیکھا بھی، اسے ایک بار خوشخبری ہے، اور جو مجھ پر ایمان لایا اور مجھے دیکھا نہیں اسے سات بار خوشخبری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں زمانی و مکانی فاصلے کے باوجود ہمیں بھی آپ کے پیغام کو صدق دل سے ماننے، آپکی سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے اور اس راہ میں ہر طرح کی قربانی دینے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم بھی پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اس خوشخبری کے مستحق ٹھہریں۔ آمین۔ ●●

روداد انجمن

جناب جاوید اشرف فلاحی، سکریٹری انجمن

انجمن کے چوتھے دو سالہ اجلاس کی پہلی نشست میں گزشتہ تین سالوں کی روداد سکریٹری انجمن نے پیش کی۔

الحمد للہ رب العٰلمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ مالک یوم الدین۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم محمد الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

معزز صدر مجلس، مہمانان گرامی قدر اور فلاحی بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں اس وقت آپ کے سامنے اس لئے کھڑا ہوا ہوں کہ انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کی گزشتہ تین سالوں کی روداد پیش کروں۔ اس لئے نہیں کہ ہم نے کوئی عظیم معرکہ سر کیا ہو اور آپ سے داد و تحسین کے کلمات سمیٹنا ہو، کوئی بے مثال کارنامہ انجام دیا ہو اور آپ سے صد و ستائش کے نذرانے وصول کریں۔

نہیں، بلکہ اس روداد کو آپ کے سامنے پیش کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ جن عظیم مقاصد کے تحت ہم نے ۴ نومبر ۱۹۹۷ء کو اپنی انجمن کی داغ بیل ڈالی تھی ان کے حصول میں ہم کہاں تک کامیاب ہو سکے ہیں اور ان کو بروئے کار لانے میں ہم کیا کچھ کر رہے ہیں اور آگے کیا کچھ کرتے رہنا ہے۔

یوں تو ہم اپنی رفتار کار بڑھانے اور اپنی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے منظم طور پر گاہے گاہے مختلف نشستیں کرتے رہتے ہیں لیکن اس اجلاس عام کے انعقاد کا مقصد جو اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے صرف یہ ہے کہ بقول شاعر ع "ہم جمع ہیں احباب، حال دل کہہ لے" تاکہ آپ کے مفید مشوروں، عمدہ تجاویز اور مخلصانہ دعاؤں سے اپنے سرمایۂ عمل میں اضافہ کر سکیں اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرم عمل رہیں۔

اس موقع سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے ان مقاصد اور نصب العین کا مختصراً

مذکورہ کمیوں جن کے سبب انجمن کا قیام عمل میں آیا تھا۔

حضرات! انجمن کے قیام کا اولین مقصد فارغین جامعہ کو مقاصد جامعہ کے حصول کے لئے منظم کرنا ہے۔ اس کے علاوہ انجمن کے پیش نظر یہ بھی ہے کہ وہ ابنائے جامعہ کی صلاحیتوں اور قوتوں کو تحریک اسلامی کے لئے بیش از بیش مفید، کارگر اور مؤثر بنانے کی راہیں تلاش اور تدابیر اختیار کرے۔ ساتھ ہی اس کے افراد اپنی مادر علمی کی تعمیر و ترقی میں ذمہ داران جامعہ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون پیش کرتے رہیں اور مقاصد جامعہ کے حصول کے لئے دوسرے دینی اور تعلیمی اداروں سے ربط رکھیں اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

ان بلند ترین مقاصد کے حصول کے لئے ہم نے گزشتہ تین سالوں میں کیا کچھ کیا ہے اس کی مختصر رپورٹ پیش خدمت ہے۔

(۱) انجمن نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے آج سے بہت پہلے اپنے ایک آرگن مجلہ "حیات نو" کا اجرا کیا تھا جو گزشتہ کئی سالوں سے پابندی کے ساتھ شائع ہوتا آ رہا ہے۔ اس مجلہ کے ذریعہ ہم ابنائے جامعہ کو منظم کرتے اور ان سے ربط رکھتے ہیں اور انھیں وہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ اپنی آواز اور اپنی ضمیر کو بہترین اسلوب، عمدہ پیرایہ اور دلنشین انداز میں پیش کر سکیں۔ ساتھ ہی اپنے افکار و خیالات کے ذریعہ دنیا کے سامنے اس کے مختلف مسائل، پریشانیوں اور الجھنوں کا اسلامی حل پیش کر سکیں۔ اس مجلہ میں جہاں اور بہت سے مفید، عمدہ اور دلچسپ موضوعات ہوتے ہیں وہیں "جامعہ کے لیل و نہار" کیلئے چند صفحات مختص ہیں جن کے ذریعہ زیر تعلیم طلبہ کے سرپرست، جامعہ سے دلچسپی رکھنے والے لوگ، اس کے بہی خواہ و ہمدرد اور خود ابنائے قدیم، جامعہ کے روز و شب سے آگاہی حاصل کرتے ہیں، کیونکہ لازمی طور سے ماہ بہ ماہ جامعہ میں رونما ہونے والی ترقیات، حالات و واقعات اور آنے والی قابل ذکر شخصیات اور ان کے خطابات کا ہلکا سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

اس مجلہ کے ذریعہ ملک میں موجود مختلف دینی اداروں اور دانش گاہوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے اور ان کے مسائل سے ایک دوسرے کو واقف کرانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اس میں ابھی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہو سکا ہے۔

آئندہ یہ بھی ارادہ ہے کہ علمی و تعلیمی دنیا کے واقعات اور اس میں رونما ہونے والی ترقیات سے

اس مجلہ کے ذریعہ ملک کے تعلیمی اداروں کو روشناس کرایا جائے اور ان کو اُن سے استفادہ کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔

(۲) گزشتہ سالوں میں مجلہ "حیات نو" کے رجسٹریشن کے لئے باقاعدہ کوششیں ہوتی رہیں، کافی تگ و دو کے بعد اس کا رجسٹریشن ہو گیا ہے اور اس طرح اس مجلہ کی ایک بہت بڑی کمی پوری ہو گئی ہے۔

(۳) فارغین جامعہ میں متعدد معذور اور مالی اعتبار سے ایسے کمزور افراد جو مزید علم حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں ان کو انجمن کا مسلسل تعاون حاصل رہا ہے اور انجمن انھیں ایسے مواقع فراہم کرتی رہی ہے کہ وہ بہت حد تک یکسو ہو کر حصول علم میں مشغول رہیں، یہ مبارک سلسلہ جاری ہے اور اب تعلیمی قرض کے نام سے بعض افراد اس تعاون سے استفادہ کر رہے ہیں۔ جامعہ میں ہر ماہ نو سو روپئے صرف ہوتے ہیں۔

(۴) جامعہ میں موجود طلبہ کی صلاحیتوں کو نشوونما دینے، انھیں مفید بنانے، تعلیم میں ان طلبہ کی دلچسپی پیدا کرنے اور ان کے اندر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا رجحان اور مسابقت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے انجمن نے سالانہ انعامات کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس کے تحت ہر سال درجہ اول سے فضیلت تک کے ہر جماعت میں پہلی، دوسری، تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے تمام ہی طلبہ و طالبات کو کتابی شکل میں انعامات دیئے جاتے ہیں۔

"گزشتہ تین سالوں کے انعامات اس اجلاس کی پہلی نشست میں تقسیم کئے جائیں گے جو ساڑھے چار ہزار روپئے کی کتابوں پر مشتمل ہوں گے۔ نیز امسال ان طلبہ و طالبات کو بھی انعام دیئے جا رہے ہیں جنھوں نے اپنے درجہ میں صد فیصد حاضری کا نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔

(۵) طلبہ کے اندر بہترین سیرت و کردار کی تعمیر اور عمدہ اخلاق و عادات کی پرورش میں جہاں اور بہت سے عناصر کا دخل ہے وہیں ایک بہت بڑا عنصر اور ضروری عنصر غیر درسی کتابوں کا مطالعہ ہے۔ اس مقصد کے لئے جمعیۃ الطلبہ کی ایک لائبریری ہے جس کی کتابوں سے طلبہ استفادہ کرتے رہے ہیں۔ اس لائبریری کو وسیع کرنے نیز طلبہ کے اندر مطالعہ و استفادہ کی اسپرٹ پروان چڑھانے کی خاطر انجمن نے پچھلے سالوں میں مختلف علوم و فنون پر معتدبہ تعداد میں کتابیں فراہم کیں اور ابھی چند ماہ پہلے اس لائبریری کو مزید تین ہزار روپئے کی کتابوں کو پیش کرنے کا اعلان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں جمعیۃ کے ذمہ داروں کی جانب سے اہم اور ضروری کتابوں کی فہرست موصول ہو گئی ہے۔ ان شاء اللہ یہ کتابیں جلد ہی فراہم کر دی جائیں گی۔

(۶) انجمن کے بیرون ملک مقیم افراد نے جامعہ کے مکتبہ کے لئے اہم اور ضروری مراجع کی فراہمی میں بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں جس کے نتیجہ میں قابل لحاظ تعداد میں کتابیں فراہم ہوئی ہیں۔ یہ سلسلہ ابھی جاری ہے اور جلد ہی کچھ کتابیں مزید آنے والی ہیں جن سے محققین اور باحثین کو خاطر خواہ فائدہ پہنچے گا۔

(۷) ہندوستان کے مختلف مدارس اور اداروں میں تدریس علوم دینیہ کے مختلف انداز اور اسلوب ہیں۔ جامعۃ الفلاح کو تدریس قرآن میں ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ چنانچہ یہاں کے طلبہ اس مضمون میں خاطر خواہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی اسی دلچسپی کو فروغ دینے اور ہمت افزائی کی غرض سے انجمن نے امسال درجہ عربی پنجم سے عربی ہفتم تک کے طلبہ میں سے قرآن میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طالب علم کو "مختصر تفسیر ابن کثیر" کا مکمل سیٹ بطور انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے جو ان شاء اللہ سالانہ نتیجہ نکلنے پر پیش کیا جائے گا۔

اسی طرح کا انعام "کلیۃ البنات" کے عالمہ آخری اور فاضلہ آخری کی طالبات میں سے قرآن میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والی طالبہ کے لئے بھی ہے۔

(۸) جہاں بہت سارے افراد کا قیام ہوتا ہے وہاں کچھ چیزیں ضروری ہو جاتی ہیں جن میں اشیائے خورد و نوش کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ذمہ داران جامعہ کی کوششوں سے یہاں مطبخ اور مطعم کا نظم ہے اور اس طرح طلبہ و اساتذہ ہر روز بغیر کسی الجھن اور پریشانی کے اس سے استفادہ کرتے ہیں لیکن عرصہ دراز سے یہ کمی محسوس کی جاتی رہی ہے کہ یہاں کوئی ایسا نظم نہیں جہاں چائے دودھ اور مختلف النوع بلکہ ہلکا ناشتہ دستیاب ہو سکے۔ جن طلبہ کو اسٹوو وغیرہ کی سہولت دستیاب نہیں انھیں کافی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے اور جنھیں یہ سہولت میسر ہے ان کا بھی اچھا خاصا وقت اسی کی نذر ہو جاتا ہے۔ خصوصیت سے ان کے کسی مہمان کی آمد پر یہ پریشانی دوچند ہو جاتی ہے۔ اس صورت حال میں انجمن کے افراد نے یہ طے کیا کہ اپنی بساط پر اندرون جامعہ ایک کینٹین کا قیام عمل میں آنا چاہیے جس میں کھانے پینے کا سودا کیوں نہ کرایا جائے۔ اہل جامعہ کے تعاون سے یہ کینٹین کھل گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مختلف وجوہات کی بنا پر وہ مسلسل

خسارہ سے ہمکنار ہے، پھر بھی اسے ہم برداشت کر رہے ہیں کیونکہ طلبہ کے آرام اور ان کی تربیت کا عظیم مقصد ہماری نظروں کے سامنے ہے۔

(۹) جامعہ نے مختصر مدت میں جو ملک گیر شہرت اور عظمت حاصل کی ہے اس کا بین ثبوت یہاں طلبہ وطالبات کی کثرت اور تعلیم گاہ و دار الاقامہ کی تنگی ہے۔ خصوصیت سے جامعہ سے ملحق ادارہ کلیۃ البنات میں جو تنگی اور جگہوں کی کمی ہے وہ اب محتاج بیان نہیں کیونکہ کتنی ہی ایسی بچیاں ہیں جو یہاں کی تعلیم وتربیت سے محض اس وجہ سے محروم ہیں کہ یہاں جگہ نہیں ہے۔ چنانچہ انجمن کے افراد نے کلیۃ البنات کو وسیع کرنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا اور تحریک چلائی۔ اس کار خیر اور کار عظیم میں ذمہ داران جامعہ اور اہل تعلیم نے دل کھول کر حصہ لیا اور اپنا ہر طرح کا تعاون پیش کیا جس کے نتیجہ میں اس ادارہ کے لئے وسیع وعریض اراضی خرید لی گئی ہے اور ان شاء اللہ اس کی تعمیر کے وقت ہم ایک بار پھر اپنا بھرپور تعاون پیش کریں گے۔

اسی طرح جامعہ کے قرب وجوار میں بھی انھوں نے زمین کی خریداری کی کوشش کی اور الحمد للہ وہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔

(۱۰) جامعہ کے قرب وجوار سے روزانہ حصول علم کے لئے طلبہ وطالبات کا ایک ہجوم چلا آتا ہے طلبہ تو پیدل یا سائیکل وغیرہ سے چلے آتے ہیں لیکن طالبات کے لئے بڑی پریشانیاں تھیں۔ ان پریشانیوں کے پیش نظر انجمن کے افراد نے بسوں کے حصول کی تجاویز پیش کیں، اور اہل جامعہ نے اصحاب خیر کے تعاون سے بسوں کا انتظام کر لیا لیکن انھیں باقاعدہ چلانے میں انجمن کے بعض افراد نے اپنی خدمات پیش کیں، ان کی حسب ضرورت مرمت کرائی، ان کے کاغذات درست کرائے اور اس طرح اب یہ بسیں طالبات کو لانے اور لے جانے کی اہم خدمت انجام دیتی ہیں۔

(۱۱) "کلیۃ البنات" میں بہت پہلے انجمن کے افراد کی کوششوں سے ایک لائبریری کا قیام عمل میں آ چکا تھا، کچھ کتابیں بھی فراہم کی گئی تھیں لیکن کسی وجہ سے گزشتہ سالوں میں کچھ پیش رفت نہ ہو سکی تھی۔ لیکن امسال انجمن کے افراد نے لائبریری کی اہمیت کے پیش نظر اس کی طرف توجہ دی اور ذمہ داران نے اپنی توجہات کا مرکز بنایا۔ گو کہ یہ لائبریری ابھی ابتدائی مرحلہ میں ہے لیکن ہم نے عزم کیا ہے کہ ہم خود، اساتذۂ جامعہ، اصحاب خیر، طالبات اور ان کے سرپرستوں کے تعاون سے

بیش از بیش، اہم اور مفید کتابیں فراہم کریں گے ساتھ ہی چند الماریوں کا بھی نظم کریں گے تاکہ ان کتابوں کی حفاظت ہو سکے۔

(۱۲) انجمن کے پیش نظر ابتدا سے یہ بات رہی ہے کہ جہاں ہمارے بھائی مادر علمی میں علوم دینیہ سے آراستہ ہوتے ہیں وہیں اگر انھیں علوم عصریہ میں مزید درک حاصل کرنے کی خواہش ہو تو انھیں اس کا ضرور موقع ملے۔ اس مقصد کے تحت انجمن کے افراد نے جامعہ کی اسناد کا بیرون ملک کی جامعات میں معادلہ کرایا تھا اور اندرون ملک "عالمیت" کی سند کو مختلف یونیورسٹیوں میں بی۔ اے کے لئے منظور کرایا تھا۔ گزشتہ سالوں میں فارغین جامعہ نے اس سے استفادہ بھی کیا لیکن گزشتہ سال کسی وجہ سے مسلم یونیورسٹی میں یہ سہولت ختم ہوتی نظر آئی لیکن انجمن کی علی گڑھ یونٹ نے اپنی انتہائی محنتوں اور کوششوں سے اسے بحال کرا دیا اور اس طرح اب پھر فارغین جامعہ اس سے استفادہ کرتے رہیں گے۔

(۱۳) انجمن کے بعض افراد کی کوششوں کے نتیجہ میں شمس الہدیٰ بورڈ پٹنہ نے فضیلت کی سند تسلیم کر کے جامعہ کے اعلیٰ معیار تعلیم کا اعتراف کیا ہے۔ اس طرح فارغین جامعہ کے لئے اساتذہ کی حیثیت سے بورڈ کے مدارس میں علمی اور تعلیمی خدمت انجام دینے کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔

(۱۴) ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۷ء میں فارغ ہونے والے طلبہ کو انجمن نے استقبالیہ دیا اور ان کے سامنے انجمن کے اغراض ومقاصد کو پیش کیا، نیز ترغیب دلائی کہ وہ باقاعدہ انجمن کے ممبر بنیں اور اس طرح انجمن کو عددی قوت فراہم کر کے جامعہ کی تعمیر وترقی میں ذمہ داران جامعہ کا بھرپور تعاون کریں اور ان مقاصد کو بروئے کار لائیں جن کا حصول جامعہ کے پیش نظر ہے اور جن کے لئے اس نے ان کو تیار کیا ہے۔

(۱۵) طلبہ کے اندر حصول علم کے لئے خلوص وللہیت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے نیز اس کے لئے جس لگن، محنت، دلچسپی اور صبر وشکیبائی کی ضرورت ہے اس کی ترغیب دلائی جاتی اور تلقین کی جاتی ہے جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

(۱۶) ان کے علاوہ جامعہ کی عمومی تعمیر وترقی کے لئے حسب موقع مناسب مشورے اور تجاویز ذمہ داران جامعہ کے سامنے رکھی جاتی ہیں اور ممکنہ حد تک عملی تعاون کے لئے اپنی خدمات

بقیہ صفحہ ۶۱

پٹرو ڈالر

قاضی زین العابدین ——— استاذ جامعۃ الفلاح شعبۂ انگریزی و سیاسیات

پٹرول فروخت کرنے کے بعد جو زرِ مبادلہ ڈالر کی شکل میں سعودی عرب، خلیجی ممالک، ایران اور عراق کو حاصل ہو رہا ہے اسے عرف عام میں "پٹرو ڈالر" کہا جاتا ہے۔

شاید کبھی دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک عرب اور اسلامی ریاستوں کو پٹرول کی بیش بہا دولت سے نوازا ہے۔ میں اسے حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کی برکت سمجھتا ہوں۔

آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل حضرت ابراہیمؑ کی دعا پر غور فرمائیے۔ جب آپ بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ "وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔" یعنی اے میرے رب اس سرزمین کو امن کی سرزمین بنا اور اس کے باشندوں کو پھلوں کی روزی عطا فرما۔

یہ دعا حضرت ابراہیمؑ نے اس سرزمین کے لئے فرمائی ہے جس پر حضرت اسماعیلؑ کو بسایا اور جہاں حرم کی تعمیر کی۔ یہ علاقہ تہذیب و تمدن اور آبادی و زرخیزی سے بالکل محروم تھا۔ خانہ بدوش قبائل پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں ادھر سے ادھر منتقل ہوتے رہتے تھے۔ معاش کا ذریعہ یا تو گلہ بانی تھی یا شکار یا پھر لوٹ مار۔ اس وجہ سے اس سرزمین کے دو خطے خاص طور پر حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں بڑے اہم تھے ایک امن کا دوسرا غذا کا۔

اللہ کے گھر کی برکت نے اس سرزمین کے باشندوں کے لئے معاشی فراخت کے دروازے بھی کھول دیئے۔ مرکزِ حج قرار دیے جانے کی وجہ سے اس سرزمین کی طرف لوگوں کا رجوع بہت بڑھ گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعوت حج پھیلتی گئی۔ اسی مناسبت سے لوگ گوشہ گوشہ سے حج و زیارت کے لئے آنے لگے اور پھر اسی اعتبار سے قدرتی طور پر تجارت اور کاروبار کو فروغ ہوا۔ باہر سے ہر قسم کی چیزیں مکہ کے بازار میں پہنچنے لگیں اور یہاں سے جو چیزیں باہر جا سکتی تھیں وہ باہر جانے لگیں۔ اس تجارت کی راہ کھل جانے کی وجہ سے ہر قسم کے اجناس اور پھل اور ضرورت کی دوسری چیزوں کی فراوانی ہو گئی جس سے لوگوں کی

معیشت میں ایک نہایت خوشگوار تبدیلی آ گئی۔ (تدبر۔ جلد ۱ صفحات ۲۸۹ تا ۲۹۱)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب اہلِ حرم کو پٹرول کی بیش بہا نعمت سے نواز کر انہیں معاشی فراخت نصیب فرمائی ہے۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں پٹرول کی اہمیت اور ضرورت سے کون واقف نہیں ہے۔ اسی پٹرو ڈالر کی وجہ سے دنیا کے ممالک کی نظریں ان اسلامی ممالک پر لگی ہوئی ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے ممالک اس عظیم دولت سے بے پناہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ امریکہ و یورپ کے بینکوں میں عربوں کی لاکھوں کھرب کی رقم جمع ہے اور یہ ممالک عربوں کو آلاتِ حرب اور تعیش کا سامان مہیا کر کے اربوں ڈالر کما رہے ہیں۔

ایران عراق جنگ جاری ہے اور ان دونوں ممالک کو آلاتِ حرب مہیا کر کے پٹرو ڈالر لوٹا جا رہا ہے۔

حکومتِ پاکستان کی معیشت اور زرِ مبادلہ کی مضبوط پوزیشن میں ان ہزاروں پاکستانی باشندوں کا ہاتھ ہے جو سعودی عرب اور خلیجی ممالک میں کام کر رہے ہیں اور جو کروڑوں ڈالر پاکستان بھیج کر اپنے ملک کو خوش حال بنا رہے ہیں۔

ابھی حال ہی میں دو ہزار پاکستانی فوجی سپاہیوں کو سعودی حکومت نے پاکستان واپس بھیج دیا ہے اور ان کی جگہ مصری فوج کے سپاہی پہنچ گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں سعودی عرب کی حکومت نے مصر کو ایک کھرب اسی ارب ڈالر رقم نقد ادا کی ہے جس سے مصر نے امریکہ، فرانس اور دیگر ممالک کا قرض ادا کیا ہے۔ یہ پٹرو ڈالر ہی ہے جس نے دریائے نیل کی زرخیز وادی کو صحرائے عرب کا ممنون بنایا ہے۔

برصغیر ہندوستان میں جب جنتا حکومت برسرِ اقتدار آئی اور کٹر ہندو ذہنیت رکھنے والے اٹل بہاری باجپئی وزیر امورِ خارجہ بنے تو انھوں نے پاسپورٹ افسروں کو سخت وارننگ دی تھی کہ ان تمام افراد کو جو ملازمت کرنے کے لئے عرب ممالک جا رہے ہیں انھیں ایک ماہ کے اندر پاسپورٹ جاری کر دیا جائے۔ باجپئی کو معلوم تھا کہ یہ ہندوستانی مسلمان کروڑوں روپے کا زرِ مبادلہ حکومتِ ہند کو مہیا کر رہے ہیں لہذا ان کی ہمت افزائی کرنی چاہئے۔ اسی پٹرو ڈالر کی وجہ سے ہندوستان کے ہزاروں مسلمان خاندانوں کی معاشی حالت نہ صرف مستحکم ہوئی ہے بلکہ آج وہ برادرانِ وطن کی نظروں میں کھٹکنے لگے ہیں۔

تاملناڈو ریاست کے ضلع مدورائی کے مینا کشی پورم گاؤں میں پورے گاؤں کے لوگوں نے

اسلام قبول کیا، اجتماعی طور پر پورے گاؤں کے باسیوں کا آزاد ہندوستان میں اسلام قبول کرنے کا رد عمل ضرور ہوا۔ ان سے ملک کے اہم اخباروں کے نمائندوں اور غیر مسلم حضرات نے جب سوالات کئے تو ان کا صاف جواب یہ تھا کہ "روٹی کپڑا اور مکان" کے لئے انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ وہ صحیح مذہب کے متلاشی تھے اور انھوں نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا ہے انھوں نے اپنے گاؤں کا نام "میناکشی پورم" کے بجائے "رحمت نگر" رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمت نگر کے باسیوں پر اپنی رحمت نازل کرے۔ آمین!

اسی طرح تامل ناڈو کی ریاست کے اسی ضلع مدورائی کے ایک دوسرے گاؤں "کانڈائی" میں بھی آدھے گاؤں کے لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔

اس طرح اسلام کی لہر سے آزاد بھارت کے غیر مسلموں میں غم وغصہ پیدا ہوا۔ حکومت ہند پر زور دیا جانے لگا کہ پٹرو ڈالر پر پابندی لگائی جائے اور آزاد بھارت میں رام چندر جی کے دیس میں عربی مدارس جو اسلام کے زبردست اور مضبوط قلعے ہیں، کو پٹرو ڈالر سے محروم کر دیا جائے۔

لیکن گزشتہ آٹھ سال سے حکومت ہند اپنی چند مجبوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے اسلامی ممالک اور I.D.B. کی جانب سے ملنے والی امداد پر پابندی نہ لگا سکی۔ بہت غور کرنے کے بعد حکومت نے ایک جزوی پابندی لگائی ہے۔ I.D.B. سے ملنے والی رقم کیلئے حکومت ہند کی منظوری کی شرط کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس سے حکومت ہند کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بھارت کے کن کن عربی مدارس کو I.D.B. سے کتنی رقم مل رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ ان عربی مدارس کو اپنی منظوری نہیں دیتے ہیں جنھیں حکومت ہند اپنے لئے خطرناک سمجھتی ہے اور حکومت کی نظروں میں ان خطرناک مدرسوں کی I.D.B. سے منظور شدہ بڑی بڑی رقموں کو حکومت ہند نے روک لیا ہے۔ اس طرح یہ جزوی پابندی مکمل پابندی عائد کرنے کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

آج حکومت ہند متعصب لوگوں کے قبضہ میں ہے۔ ناتجربہ کار راجیو گاندھی کو تو آگے کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ پیچھے۔ ہندوستان کی سیاست کا المیہ یہ ہے کہ حکمراں جماعت اکثریت کے ووٹوں کا خیال کر کے اپنی پالیسی مرتب کرتی ہے اور "یکساں سول کوڈ" کی طرح حکومت ہند پارلیمنٹ میں یہ بل پیش کرنے کی تیاری کر رہی ہے کہ ہندوستان کے عربی مدارس کو اسلامی ممالک، رابطہ عالم اسلامی اور I.D.B. سے ملنے والی

امداد پر مکمل طور پر پابندی عائد کی جائے۔ "میناکشی پورم اور کانڈائی کے اجتماعی قبول اسلام کے واقعہ کو عربی مدارس اور پٹرو ڈالر سے جوڑا جا رہا ہے اور عربی مدارس کی ترقی کو رابطہ عالم اسلامی اور آئی ڈی بی سے منسلک کیا جا رہا ہے جو کہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ حکومت ہند کی خواہش ہے کہ عربی مدارس کی نہ تو وہ خود مدد کرنا چاہتی ہے اور نہ یہ بھی نہیں چاہتی کہ اسلامی ممالک ان کی مدد کریں۔

اس کے لئے ابھی سے مسلمانان ہند کو بالعموم اور ہندوستان کے جملہ عربی مدارس کو بالخصوص متحد ہونے کی ضرورت ہے۔ نظری، فکری، عقائدی اور آپسی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر یکساں مفاد کے خاطر "کل ہند انجمن مدارس عربیہ" کا قیام فوری طور پر عمل میں لایا جائے اور ان علماء کا وفد حکومت ہند کے وزیر داخلہ سے ملاقات کر کے حکومت ہند کے شکوک کا ازالہ کرے۔ نیز اسلامی ممالک کے سفیر، رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری اور I.D.B. کے ڈائرکٹروں کو مطلع کرنا چاہئے کہ ان کی جانب سے ہندوستان کے عربی مدارس کو دی جانے والی امداد کو حکومت ہند بلاوجہ روک رہی ہے اور وہ حکومت ہند سے درخواست کریں کہ حکومت ہند کی مداخلت بین الاقوامی اسلامی جذبۂ تعاون کے منافی ہے۔ نیز حکومت ہند پر زور دیا جائے کہ وہ متعصب لوگوں کے بہکاوے میں آ کر پارلیمنٹ میں یہ بل پیش نہ کرے کہ "اسلامی ممالک سے ہندوستان کے عربی مدارس کو ملنے والی امداد پر مکمل پابندی عائد کر دی جائے"۔

لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری صفوں میں حکومت نواز ذہنیت کے علماء کی کمی نہیں ہے جو اپنے مدارس پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔

الغرض پٹرو ڈالر جس نے ہندوستان کی معیشت کو زبردست سہارا دیا ہے اور ہندوستان کے زرمبادلہ کو استحکام بخشا ہے۔ حکومت ہند ہوشمندی سے کام لے کر عربی مدارس کو اسلامی ممالک کی مدد حاصل کرنے میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالے گی اور پٹرو ڈالر پر کوئی پابندی عائد نہیں کرے گی۔ ••

"آخری اینٹ"

از مجاہد زاہد

جس کی عطا ہر دو عالم نے بھی رحمت کی ہے
میں نے اس سرورِ خوباں سے محبت کی ہے

ذاتِ احمدؐ پہ رسالت کی ہوئی ہے تکمیل
آخری اینٹ وہی قصرِ نبوت کی ہے

جمع ہیں سارے کمالات و فضائل اس میں
اس کی صورت کی نظیر اور نہ سیرت کی ہے

آخری احمدِ مرسلؐ کو بنایا مجھکو
میرے اللہ نے یہ خاص عنایت کی ہے

جادۂ زیست کا ہر موڑ ہے روشن روشن
دھوپ پھیلی ہوئی خورشیدِ ہدایت کی ہے

ہم غلامانِ محمدؐ ہیں اجالوں کے سفیر
ہم نے ہر دور کی ظلمت سے بغاوت کی ہے

اس کے بیٹے تو پھر اپنے ہیں، سبب شانِ کرم
اس نے اغیار پہ بھی بارشِ رحمت کی ہے

دوستو یوں تو مسلمان ہو تم بھی، ہم بھی
بات پابندیٔ آئینِ شریعت کی ہے

بس وہ معیارِ محبت پہ کھرا اترا ہے
جس نے سرتاجِ رسالت کی اطاعت کی ہے

معتبر دین ہی اس کا ہے نہ ایماں زاہد
جس نے فرمانِ محمدؐ سے بغاوت کی ہے

شعلۂ بے باک

(تضمین بر غزل ماہر القادری)

از قلم: عطا عابدی ———— بہیڑی (دربھنگہ)

لکھا ہو قدرت کا مٹا ہے نہ مٹے گا   مومن کا قدم پیچھے ہٹا ہے نہ ہٹے گا
باطل کا فسوں حق پہ چلا ہے نہ چلے گا   "اسلام کا پرچم نہ جھکا ہے نہ جھکے گا
پھونکوں سے یہ فانوس بجھا ہے نہ بجھے گا"

مومن کی ہلاکت کی کہانی پہ نہ جانا   اس قوم کی برباد جوانی پہ نہ جانا
کفار کے دنیا کی روانی پہ نہ جانا   "ایمان کی خاموش زبانی پہ نہ جانا
یہ شعلۂ بے باک دبا ہے نہ دبے گا"

ہو جاتا ہے کبھی دیر میں آنے کا سبب کچھ   پھر کیا ہوا گر عاجز زمانہ ہے عجب کچھ
کام آئے نہ زر پیشہ کبھی نام و نسب کچھ   "ہے عزمِ ہستی میں عمل ہی سے تو سب کچھ
باتوں سے کوئی کام بنا ہے نہ بنے گا"

ایماں کا بادل جو برستا ہے تو برسے   طوفانِ حوادث کا جو اٹھتا ہے تو اٹھے
نفرت کوئی اسلام سے رکھتا ہے تو رکھے   "باطل جو صداقت سے الجھتا ہے تو الجھے
ذروں سے یہ خورشید چھپا ہے نہ چھپے گا"

سلطان و شہنشاہ جہاں ہوں کہ بھکاری   جنگل ہو کہ دریا ہو وہ گلشن ہو کہ وادی
دنیا کی ہر اک چیز عطا فانی ہے فانی   "بس ذاتِ خداوند ہے دائم و باقی
دنیا میں سدا کوئی رہا ہے نہ رہے گا"

امام ابو حنیفہؒ اور آپ کی فقہ

ولی اللہ سعیدی قلاتی

کلّ نفس ذائقة الموت سے کسی کو مفر نہیں؛ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں　　　　اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گی

لیکن کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو جسمانی موت کے باوجود زندہ رہتی ہیں۔ ان کے کارناموں اور خدمات کے ذریعہ دنیا ان کو تا قیامت یاد کرتی رہے گی۔ انہی میں ایک نمایاں شخصیت، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

مولد و نسب

آپ کا نام نعمان، کنیت ابو حنیفہ، امام اعظم لقب ہے۔ شجرۂ نسب یہ ہے نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ۔ مؤرخین تقریباً اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء کو کوفہ میں پیدا ہوئے۔ یہ بات مسلم ہے کہ آپ عجمی النسل تھے۔ آپ کے والد ماجد ثابت بن زوطی فارسی تھے۔ اس طرح آپ فارسی النسب ہوئے۔ آپ کے دادا اہل کابل سے تھے، جب عربوں نے اس علاقے کو مفتوح کر لیا تو ثابت قید ہو کر بنی تیم بن ثعلبہ کے غلام بنے۔ پھر آزاد کر دیئے گئے اور اس قبیلے کے "مولیٰ" قرار پائے۔ ولاء کی نسبت سے تیمی کہلائے۔ لوگوں نے انہیں عربی النسل بھی کہا ہے لیکن یہ مختلف فیہ اور ضعیف قول ہے۔ آپ کی پیدائش کے وقت عبدالملک بن مروان اموی خلیفہ تھا اور حجاج بن یوسف عراق کا گورنر۔ آپ نے اپنی زندگی کے باون سال بنی امیہ کے عہد میں اور اٹھارہ سال بنی عباس کے عہد میں گزارے۔

سنِ رُشد

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پر آشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف قیامت برپا کر رکھی تھی۔ آپ کوفہ میں پروان چڑھے۔ آپ کے والد سن رشد سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ والدہ مدت تک زندہ رہیں۔

آپ کی تربیت ایک خالص اسلامی گھرانے میں ہوئی اور آپ نے بچپن ہی میں غیر معمولی صلاحیت پیدا کر لی تھی۔

تعلیم و تربیت

امام کی تعلیم کے متعلق ان کا اپنا بیان یہ ہے کہ ابتداء انھوں نے قرأت، حدیث، نحو، ادب، شعر اور کلام وغیرہ تمام ان علوم کا مطالعہ کیا تھا جو اس زمانہ میں متداول تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے قرأت امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھی جن کا شمار قراء سبعہ میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے علم کلام میں اختصاص پیدا کیا اور ایک مدت تک اس میں مشغول رہ کر اس مرتبے تک ترقی کر گئے کہ اس فن میں آپ کی طرف نگاہیں اٹھنے لگیں، لوگ آپ کو مرجع کی حیثیت سے جاننے لگے۔ کافی مدت اس میں مشغول رہنے کے بعد کلامی جھگڑوں اور مجادلوں سے آپ کا دل بیزار ہو گیا اور آپ نے فقہ (اسلامی قانون) کی طرف توجہ کی۔ عراق کے اصحاب الرائے کا مرکز اس وقت کوفہ تھا۔ آپ نے تعلیم کی غرض سے کوفہ ہی کا رخ کیا۔ حماد آپ کے استاذ ہوئے لیکن آپ نے صرف اس علم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بسا اوقات حجاز جا کر وہ فقہ و حدیث کے دوسرے اکابر سے استفادہ کرتے رہے۔

شیوخ و اساتذہ

سب سے پہلے آپ کو علم کی رغبت امام شعبی نے دلائی جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ امام شعبی کے گھر کے سامنے سے گزرے تو یہ سمجھ کر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے، پاس بلایا اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔ آپ نے ایک سوداگر کا نام لیا۔ امام شعبی نے کہا میری مراد یہ ہے کہ تم پڑھتے کس سے ہو۔ آپ نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کسی سے بھی نہیں۔ شعبیؒ نے کہا کہ مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں۔ تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ اس کے بعد سب سے پہلے استاد، امام حماد رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ امام کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو بڑے بڑے اہل کمال کی صحبتیں میسر آئیں۔ علماء سے ملنے اور علمی مجالس میں بیٹھنے کا شوق امام کے خمیر میں داخل ہو چکا تھا۔ ان کے اساتذہ بے شمار ہیں جن میں چند قابل ذکر یہ ہیں۔ عطاء بن ابی رباح مکی، عاصم بن ابی النجود کوفی، علقمہ بن مرثد کوفی، حضرت امام باقر علیہ السلام مدنی، ابو سفیان سعدی، ہشام بن عروہ مدنی، عمرو بن دینار مکی، سماک بن حرب، اعمش کوفی، عبداللہ بن عمر بن حفص مدنی، امام اوزاعی، حمید الاعرج وغیرہم۔ آپ نے مختلف الخیال اساتذہ سے

کسب فیض کیا۔

اخلاق وعادات

تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق وعادات میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ قاضی ابو یوسفؒ ہارون رشید کے سامنے کی ہوئی تقریر میں کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ نہایت پرہیزگار تھے، منہیات سے بہت بچتے تھے۔ اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے، نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لے جاتے، اہل دنیا سے احتراز تھا، دنیوی جاہ وعزت کو حقیر سمجھتے تھے، غیبت سے بہت بچتے تھے جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے۔ مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے۔ (سیرت النعمان حصہ اول ص[illegible])

ذہانت اور طباعی

فطرۃً امام کے متعلق اتنا جان لینا ضروری ہے کہ آپ کے اندر قوت ایجاد، جدت طبع، دقت نظر اور وسعت معلومات تھی۔ آپ کو فقہ میں وہ درجہ نصیب ہے جو ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ میں۔ امام کی ذہانت اور مناظرہ کا اندازہ قرأت خلف الامام کے مدلل جواب سے کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے سائلین سے کہا کہ اتنے آدمیوں سے تنہا میں کیوں کر بحث کر سکتا ہوں، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس مجمع میں سے کسی کو انتخاب کر لیں جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو اور اسی کی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے۔ لوگوں نے منظور کیا۔ امام صاحب نے کہا آپ نے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ ہو گیا۔

پیشہ

معاش کے لیے امام نے اپنا آبائی پیشہ تجارت اختیار کیا۔ کوفہ میں وہ خز (یعنی ایک خاص قسم کے کپڑے) کی تجارت کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ انھوں نے اس پیشہ میں بھی غیر معمولی ترقی کی۔ ان کا اپنا ایک بڑا کارخانہ تھا جس میں خز تیار کیا جاتا تھا۔

تصانیف

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں ان کے نام یہ ہیں: فقہ اکبر، العالم والمتعلمؒ، مسند۔ فقہ اکبر عقائد کا ایک مختصر سا رسالہ ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ موجود رسائل آپ کی طرف منسوب ہیں آپ کے شاگردوں اور خصوصیت سے آپ کے پوتے اسمٰعیل بن حماد کے مرتب کردہ ہیں۔

اگرچہ فقہ میں ہیں کوئی مرتب کتاب نہیں ملتی لیکن احادیث وآثار پر مشتمل ایک مسند کی

نسبت بھی آپ کی طرف کی جاتی ہے لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مسند آپ کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہو کر آپ کی جانب منسوب ہوئی یا آپ کے اصحاب وتلامذہ نے اس کو مرتب کیا؟ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک مسند امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہے وہ آپ کی تالیف نہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ آپ کے شاگردوں نے اسے مرتب کیا ہے۔

امام کی اولاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہیں مگر یہ یقینی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا آپ کے کوئی اولاد موجود نہ تھی۔ حماد بڑی صلاحیت کے مالک تھے، بچپن میں ان کی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی۔ بڑے ہو کر خود امام صاحب سے علم کی تکمیل کی۔ علم وفضل کے ساتھ بے نیازی اور پرہیزگاری میں باپ کے خلف الرشید تھے۔ ان کے چار لڑکے ہوئے، عمر، اسمٰعیل، ابو حیان، عثمان۔ یہی وہ اسمٰعیل ہیں جو مامون الرشید کے زمانے میں قضا پر مامور ہوئے۔ امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے، امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا۔ یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی ابو الملۃ الحنیفہ۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: واتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا۔ امام ابو حنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابو حنیفہ رکھی تھی۔

وفات

منصور نے امام صاحب کو ۱۴۶ھ میں قید کیا اور مختلف قسم کی اذیتیں دیتا رہا چنانچہ آخری تدبیر یہ تھی کہ اس نے آپ کو بے خبری میں زہر دلوا دیا۔ جب آپ کو زہر کا اثر ہوا تو سجدہ ریز ہو گئے اور اسی حالت میں رجب ۱۵۰ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ پہلی مرتبہ نماز جنازہ میں کم و بیش ۵۰ ہزار کا مجمع تھا۔ یہاں تک کہ ۶ بار نماز جنازہ پڑھی گئی ہے۔ مورخ خطیب نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بیس دن تک نماز جنازہ پڑھی جاتی رہی۔

فقہ اور اس کے اصول

اسلامی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جس وقت تک ان کو فن کی حیثیت نہیں حاصل ہوئی وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں ہوئے۔ دوسری صدی کے اوائل میں تدوین وترتیب شروع ہوئی ہے اور جن لوگوں نے ترتیب وتدوین کی، وہ ان علوم کے بانی کہلائے۔ چنانچہ بانی فقہ کا لقب امام ابو حنیفہؒ کو ملا جو حقیقتاً اس لقب کے

سرفراز تھے۔ اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بلا ریب امام ابو حنیفہؒ فقہ کے موجد ہیں۔

امام صاحب کے زمانے تک اگرچہ فقہ کے متعدد مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن ابھی تک یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی اسے فن کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا اگر اس کے جواب میں سب لوگ متفق الرائے رہتے تھے تو اسی وقت قلم بند کر لیا جاتا۔ امام صاحب کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہے وہ امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کی تالیفات ہیں۔ یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے لیکن یہ درحقیقت چار شخصوں یعنی امام ابو حنیفہؒ، زفرؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے رایوں کا مجموعہ ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے "میں کتاب اللہ سے سند لیتا ہوں۔ اگر اس میں کوئی مسئلہ نہیں ملتا تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اگر کتاب و سنت دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ سے اخذ کرتا ہوں، جس کا قول چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جس کا قول چھوڑنا چاہوں ترک کر دیتا ہوں اور ان کے اقوال سے کسی دوسرے کے قول کی طرف تجاوز نہیں کرتا۔ جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی وغیرہ تک پہنچتا ہے تو وہ اجتہاد کرنے والے لوگ تھے ہمیں بھی ان کی طرح اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے۔" دوسرا قول ہے کہ "جہاں نص اور قول صحابی دونوں نہ ہوں تو قیاس پر عمل کروں گا۔" اور تیسرے قول کا یہ بات آتی ہے کہ "اگر قیاس کا نتیجہ حالات کے موافق نہ ہو تو استحسان کی طرف رجوع کروں گا۔"

۱۔ کتاب اللہ

قرآن کا اطلاق لفظ و معنی دونوں پر ہوگا یا صرف معنی پر۔ فقہائے حنفیہ نے یہ بحث اٹھائی ہے کہ قرآن کس چیز کا نام ہے آیا الفاظ و معانی دونوں کا یا صرف معنی کا۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ الفاظ و معنی دونوں مراد ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ سے اس سلسلے میں کوئی قطعی بات نہیں ملتی البتہ ایک فرع سے معنوی مراد کو تقویت ملتی ہے۔ وہ فرع یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص نماز کے دوران قرآن عربی کے بجائے فارسی میں پڑھ لے تو درست ہے [illegible] نے قرأت کا رکن کی حد ادا کر دیا اس بات سے قطع نظر کہ وہ عربی پڑھنے سے عاجز ہو یا نہ ہو البتہ عاجز نہ ہونے کی صورت میں اس میں کراہت پائی جائے گی۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف عربی زبان ہی میں ادا کی جا سکتی ہے الا یہ کہ کوئی عربی پر قادر نہ ہو۔ شافعی صاحب ہر حال میں عربی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ لفظ کو نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک الفاظ و معنی

دونوں کے مجموعے کا نام قرآن ہے اور فارسی میں پڑھنے کی اجازت ایک رخصت ہے کیونکہ اگر وہ عربی نہیں جانتا تو قرآن کے الفاظ کو کھا جائے گا اور یہ حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اس شخص کے لئے سہولت پیدا کرنا چاہتے ہیں جو عربی سے عاجز تو نہیں البتہ وہ اس کی ادائیگی پر پوری طرح قادر نہیں۔ ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ جو عربی زبان پر قادر نہ ہو وہ دوسری زبان میں پڑھ لے، اس کی حیثیت دعا کی ہوگی۔

قرآن کریم شریعت اسلامیہ میں دستور و آئین کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں شریعت کا اجمالی بیان اور اس کی عمومی معرفت پائی جاتی ہے۔ یہ دین کا اصل سرچشمہ ہے اور اس کے اصول و فروع کا ماخذ اشتقاق ہے۔

۲۔ سنتِ رسولؐ

حدیث، قرآن کی شارح ہے۔ حدیث مزید وضاحت کرتی ہے۔ حدیث نبوی دوسرا بڑا ماخذ ہے جس پر امام ابو حنیفہؒ نے اپنے فقہی استنباط میں اعتماد کیا ہے۔ معاذ بن جبلؓ کی حدیث ہے جس میں ذکر ہے کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ تم پیش آمدہ حوادث میں کیسے فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ اللہ کی کتاب سے۔ فرمایا اگر مطلوبہ سند قرآن میں نہ ملا تو؟ عرض کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق۔ فرمایا اگر وہاں بھی وہ مسئلہ نہ ملا تو؟ معاذؓ نے عرض کیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ حدیث کا قرآن سے متاخر ہونا ایک حقیقت ثابتہ ہے اسی وجہ سے حنفیہ کتاب و سنت سے ثابت شدہ احکام میں فرق کرتے ہیں کیونکہ قرآن کی دلالت قطعی ہوتی ہے اور حدیث کی ظنی۔ جو اوامر قرآن میں ہوں ان کو "فرض" قرار دیتے ہیں اور جو حدیث سے ثابت ہوں ان کو "واجب" کہا جاتا ہے۔

یہ مسئلہ فقہاء میں معرکۃ الآراء رہا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث پر کس قدر اعتماد کرتے تھے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے تھے۔ حالانکہ اس سلسلے میں ان کا خود قول ہے کہ "جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم کرتے ہیں بخدا اس نے افترا پردازی سے کام لیا کیا نص کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔" یعنی آپ نے قیاس کو وہی درجہ دیا جس کا وہ مستحق ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا "ہم شدید ضرورت کے وقت قیاس کرتے ہیں کیونکہ ہم سند کی

دلیل کتاب وسنت اور فتاویٰ صحابہ سے تلاش کرتے ہیں۔ دلیل کے فقدان کی صورت میں غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرتے ہیں۔"

ایک دوسری روایت میں فرمایا "ہم کتاب اللہ پر عمل کرتے، پھر سنت نبوی پر پھر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے آثار پر۔" ابوجعفر منصور نے امام ابوحنیفہؒ کو لکھا "مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔" امام صاحب نے جواب دیا "امیر المومنین! بات یوں نہیں ہے جیسے آپ کو پہنچی ہیں تو پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر حدیث رسولؐ پر پھر خلفاء اربعہؓ کے فیصلوں پر پھر بقیہ صحابہؓ کے قضایا پر۔ صحابہ میں اختلاف ہو تو میں قیاس کرتا ہوں اور خالق و مخلوق کے مابین کوئی رقابت داری نہیں ہے۔" (حیات ابوحنیفہ۔ ابوزہرہ ۳۳۷)

امام ابوحنیفہؒ اولین فقیہ تھے جنھوں نے اخبار آحاد کو وثوق احتجاج قرار دیا۔ اگر اپنی رائے کو حدیث کے مخالف پایا تو اپنی رائے کی تصحیح کر لی۔ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شاگردوں کو بھی اس کی نصیحت کی۔

۳۔ فتاویٰ صحابہ

جیسا کہ امام کا قول اوپر گزرا کہ "اگر کتاب وسنت میں مجھے کوئی مسئلہ نہیں ملتا تو میں اقوال صحابہ پر عمل کرتا ہوں۔" اس قول سے مستفاد ہوتا ہے کہ اقوال صحابہ کو اخذ کرتے اور اسے واجب الاتباع سمجھتے تھے۔ آپ کے طرز عمل سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جس مسئلہ میں رائے کا امکان ہوتا آپ صحابہؓ کی مخالفت کر دیتے تھے اور جو مسئلہ ایسا ہو جس میں قیاس کا دخل نہ ہو سکتا ہو اور سماع پر موقوف ہو جیسے کسی چیز کی مدت، تو ایسے امور میں صحابہؓ کی تقلید کرتے اور مخالفت نہ کرتے۔ اسی لئے آپ نے مدت حیض کے بیان میں حضرت انسؓ اور عثمان بن ابی العاصؓ کا قول اخذ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا "انا امان لاصحابی و اصحابی امان لامتی"۔ چونکہ صحابہؓ باقی سب لوگوں کی نسبت آنحضرتؐ کے زیادہ قریب تھے ان کے نظریات کا سنت نبوی ہونے کا احتمال بڑا قرین قیاس ہے۔ اس وجہ سے اتباع صحابہؓ قیاس کے مقابلے میں زیادہ افضل ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ امام ابوحنیفہؒ اقوال صحابہؓ کی اتباع کرتے تھے اور البتہ تابعین کے فتاویٰ واجب الاتباع نہیں سمجھے جاتے تھے۔

۴۔ اجماع

"کسی زمانے میں امت اسلامیہ کے مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر مجمع ہو جانا اجماع کہلاتا ہے۔" امام ابوحنیفہ کے متبعین سے یہ بات ملتی ہے کہ آپ اجماع کو اصل

سمجھتے تھے۔ اجماع قولی اور اجماع سکوتی دونوں سے حجت لیتے تھے۔ "ابوحنیفہؒ اپنے شہر والوں کے مسلک کا شدید اتباع کرتے تھے"۔ "ابوحنیفہؒ کا کلام ثقات سے منقول، قبائح سے دور، لوگوں کے معاملات میں بصیرت و فراست اور لوگوں کے مصالح کے تحفظ کا آئینہ دار ہوتا ہے۔" اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ فقہائے کوفہ کے اجماع کی پیروی کرتے تھے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تجتمع امتی علی ضلالۃ۔ اجماع دلیل قطعی ہے۔

۵۔ قیاس

جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ اگر قرآن وسنت اور فتاویٰ صحابہ اور اجماع کے ذریعہ بات نہیں بنتی تو آپ قیاس کرتے۔ کبھی قیاس کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی استحسان کی طرف۔ لوگوں کی مصلحت اور عدم حرج آپ کے رہنما اصول تھے۔ عام حالات میں قیاس پر عمل کرتے جب قیاس میں کوئی قباحت دیکھتے اور لوگوں کے معاملات سے لگاؤ نہ کھاتا تو استحسان کی طرف رجوع کرتے۔ "کتاب یا سنت یا اجماع سے ماخوذ کسی منصوص حکم کے ساتھ اشتراک علت کی بنا پر ایک غیر منصوص مسئلہ کے حکم کا بیان قیاس ہے۔"

۶۔ استحسان

"العدول عن حکم اقتضاه دلیل شرعی فی واقعة الی حکم آخر فیها بدلیل شرعی اقتضی هذا العدول" یعنی قیاس خفی کو قیاس جلی پر ترجیح دینے کو استحسان کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ استحسان سے بہت زیادہ کام لیتے تھے اور جب کسی مسئلہ میں استحسان اپناتے تھے تو اس کی باریکی کا کوئی مجتہد

۷۔ عرف وعادات

"امام ابوحنیفہؒ قبیح سے دور رہتے اور لوگوں کے معاملات میں غور کرتے تھے۔ جب تک لوگوں کے معاملات قیاس سے کام لینے میں درست رہتے آپ سب امور اس کے مطابق جاری رکھتے۔ جب قیاس میں قباحت ہوتی تو استحسان کو اختیار کرتے۔ جب استحسان کا بھی امکان نہ ہوتا تو لوگوں کے تعامل کی طرف رجوع کرتے۔" ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن۔ بہرحال آپ عرف اور تعامل پر عمل کرتے تھے بعد میں کچھ علمائے احناف نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

فقہ حنفی کی خصوصیات

۱۔ فقہ حنفی کا اصول عقلی کے موافق ہونا ہے، یعنی فقہ مسائل کے اسرار اور مصالح پر مبنی ہوتا ہے۔ احکام شرعیہ کے سلسلے میں شروع ہی سے دو فرقے ہیں مثلاً ایک گروہ کہتا ہے کہ اس کی کوئی مصلحت نہیں یہ امر تعبدی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ یہ مصلحت پر مبنی ہے، اگرچہ ہم نہ جان سکیں تو ہماری عقل کا قصور ہے، مثلاً نماز کی مصلحت خدا نے بتا دی تنھی عن الفحشاء والمنکر اور روزہ کی مصلحت لعلکم تتقون۔ امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک تھا۔ اگر فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ تفاوت نظر آتا ہے کہ بڑے بڑے علماء بھی مصلحت کے قائل نہیں ہیں لیکن امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق ہیں۔

۲۔ یسیر التعمیل ہونا: دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا بہت آسان ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے "خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا"۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میں نرم اور آسان شریعت لے کر آیا ہوں۔ دوسرے ادیان پر اسی وصف کی وجہ سے فوقیت حاصل ہے۔
فقہ حنفی کا یسیر التعمیل ہونا ایسا مشہور ہے کہ شعراء اس کو ضرب المثل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ فانی شاعر نوری تک کہتا ہے "چوں رخصت ہائے بوحنیفہؒ"۔ مثلاً یہ بات مسلم ہے کہ تعلید مرتد کی سزا ہے لیکن بعض مجتہدین متاخرین نے اس کو مزید مقید کر دیا۔ موازنے سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کا مسلک کتنا آسان ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ ہم دھوم سے اس کا ہاتھ کاٹیں گے۔ اسی طرح ایک نصاب میں متعدد چور ہوں تو امام صاحب کہتے ہیں کہ کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام احمدؒ کے نزدیک ہر ایک کا کاٹ دیں گے۔ امام شافعیؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ڈولوں سے اُبالا ہوا پانی حرام ہے۔

۳۔ معاملات کے متعلق جو قاعدے ہیں نہایت وسیع تمدن کے موافق ہیں: فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضروریات متعلق ہیں معاملات کا حصہ ہے۔ معاملات ہی میں مجتہد کی دقت نظر اور نکتہ سنجی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جو اللہ کو قوانین کی شکل میں لائے لیکن افسوس بعد میں لوگ لائے اس پر کام نہیں کیا۔ امام نے ایسے قوانین کی شروعات کی جو ایک تمدن اور ترقی یافتہ ملک میں چل سکیں۔ ایک ہی مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ حرمت بالزنا کا مسئلہ:

امام شافعی کہتے ہیں کہ زنا سے حرمت کے احکام پیدا نہیں ہوتے مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو لڑکے کے لئے وہ عورت جائز ہے۔ امام شافعیؒ اس کو یہاں تک وسعت دیتے ہیں کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ زنا ایک حرام فعل ہے لیکن ابو حنیفہؒ نکتہ شناس کا ہے کو اسے برداشت کرتے وہ کہتے ہیں مقاربت کے ذریعہ مرد اور عورت پر ایک فطری اثر پڑتا ہے۔ آدمی اپنے ہی نطفے سے شادی کرے؛ خواہ وہ حرام ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ اصول فطرت کے خلاف ہے۔ اسی طرح خلوت صحیح سے پورا مہر واجب ہوتا ہے۔ امام شافعی نصف کو واجب کہتے ہیں وغیرہ۔

۴۔ ذمیوں کے حقوق: ایک بڑی خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ذمیوں یعنی ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیع ہو کر رہتے ہیں، نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے ہیں۔ یہ بات کسی اور فقہ اور جمعیت کے یہاں موجود نہیں۔ یورپ اپنے قانون انصاف پر زبانی دعویٰ کر سکتا ہے لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کر سکتا۔ حالانکہ امام صاحب کے یہ احکام گو کتابوں میں بھی نافذ رہے خاص کر ہارون الرشید نے انہی احکام کو نافذ کیا۔
آپ ذمیوں کے قتل کی بات لے لیں۔ اللہ رب العزت شافعیؒ کو معاف کرے آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان نے گو بے جرم اور عمداً کسی ذمی کو قتل کر دیا ہو تاہم وہ قصاص سے بری رہے گا۔ صرف دیت دینی ہوگی۔ حالانکہ امام صاحب کہتے ہیں کہ علیؓ کا قول ہے: من کانت لہ ذمتنا فدمہ کدمنا و دیتہ کدیتنا۔ یعنی ذمی کا خون ہمارا خون۔ امام صاحب کہتے ہیں ذمی کے بدلے مسلم قتل کیا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ امام شافعیؒ کے احکام بھی مصر میں مدت تک نافذ تھے لیکن عیسائیوں اور یہودیوں میں اکثر بغاوتیں ہوتی تھیں۔

۵۔ فقہ حنفی کا نصوص شرعی کے موافق ہونا: جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں ان میں ائمہ کا کا اختلاف ہے تو امام ان میں جو پہلو اختیار کرتے ہیں عموماً وہ نص سے زیادہ قریب ہوتا ہے، مثلاً امام صاحب کے نزدیک وضو میں چار فرض ہیں۔ امام شافعیؒ دو فرض کا اور اضافہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب۔ اسی طرح دیکھئے امام شافعیؒ قتل غلام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان کی دلیل ہے کہ "الحر بالحر"۔ امامؒ کہتے ہیں "الانثیٰ بالانثیٰ"

پر بھی عمل کیجئے تو جائز ہے۔

ان خصوصیات کا مطلب یہ نہیں کہ امام سے کبھی غلطی ہوئی ہی نہیں۔ امامؒ ایک مجتہد تھے، پیغمبر نہیں تھے۔ کیونکہ مدت رضاعت، قضاء قاضی ظاہراً و باطناً نافذ ہونا، قتل بالمثقل، نکاح محرم میں حد کا نہ ہونا جیسے مسائل میں امام صاحب کی کوئی صحیح رائے نہیں تھی لیکن مقصد صاحب الرائے بتانا ہے۔ امام صاحب الرائے تھے۔ بعض متشدد احناف نے آپ کی شان میں یہاں تک کہہ دیا کہ حضورؐ نے آپ کی پیشن گوئی کی تھی، آپ موعود فی التوراۃ تھے بالکل غلط ہے۔

آپ اور آپ کی فقہ کے سلسلے میں ذاتی اور دوسروں کے اقوال

- امام اعظمؒ نے فرمایا اگر میری بات قرآن و سنت سے ٹکراتی ہو تو اسے دیوار پر مار دو۔ یعنی آپ کا کہنا تھا کہ میں ہرگز اپنی رائے جبراً مسلط کرنا نہیں چاہتا ہوں بلکہ میں بھی انسان ہوں مجھ سے بھی غلطی کا صدور ہو سکتا ہے۔ اور آپ نے اپنے شاگردوں کو اندھی تقلید سے سخت ممانعت کی اور ان کو سمجھ داری کی ہدایت فرمائی۔
- امام صاحب ایک طویل مدت تک حمادؒ کے پاس رہتے تھے۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ میں حماد کے مقابلے میں کسی سے اتنا زیادہ قریب نہیں تھا اور میں بہت زیادہ سوال کرتا تھا تو کبھی مجھ سے گھبرا جاتے اور کہتے کہ تم نے مجھے تنگ کر رکھا ہے۔ (الشیخ حسین رضاق صدری) اور ایک مرتبہ یہاں تک کہہ دیا "انزفتنی" یعنی تم نے میری ساری چیزیں اخذ کر لیں۔ (ضحی الاسلام۔ جلد ۲ ص ۱۸۲)
- یحییٰ بن نصرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ کو کہتے ہوئے سنا "عندی صنادیق من الحدیث ما اخرجت منها الا الیسیر الذی ینتفع بہ"
- یحییٰ بن سعید القطانؒ نے فرمایا: خدا گواہ ہے ہم جھوٹ نہیں بولتے، ہم نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو صائب الرائے نہیں پایا اور ہم نے اکثر اقوال اخذ کئے ہیں۔ خدائے بزرگ کی قسم کہ امام ابوحنیفہ اس امت میں قرآن و حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔
- عبداللہ بن المبارکؒ نے فرمایا: ابوحنیفہؒ فقہ میں سب لوگوں سے زیادہ تھے میں نے ان جیسا فقہ میں کسی کو نہیں دیکھا۔
- ابن داؤدؒ: اہل اسلام پر نمازوں میں امام ابوحنیفہؒ کیلئے دعا کرنا ضروری ہے کیونکہ انھوں نے دوسروں کے واسطے سنن و آثار محفوظ کر دیے ہیں یعنی بصورت احادیث و آثار مرویہ و بصورت احکام و مسائل۔

- امام مالکؒ فرماتے ہیں: میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ اگر ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو اس پر بھی دلیل قائم کر سکتا ہے۔
- امام شافعیؒ: میں ابوحنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ ہر روز ان کی قبر کی زیارت کو جاتا ہوں جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں جلد دعا کے بعد مراد بر آنے میں دیر نہیں لگتی۔
- علی بن عاصمؒ: آدھی دنیا کی عقل ترازو کے ایک پلڑے میں اور ابوحنیفہؒ کی عقل دوسرے میں رکھی جاتی تو ان کا پلہ بھاری ہوتا۔
- مسعر بن کدامؒ: جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام ابوحنیفہؒ کو وسیلہ بنائے گا اور انکے مذہب پر چلے گا میں امید کرتا ہوں اس کو کچھ خوف نہ ہوگا۔
- حضرت شاہ ولی اللہؒ: امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم تھے یہاں تک کہ امام شافعیؒ نے کہا سب لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

مختصر یہ کہ امام صاحب اور ان کے پیروکار ہی تمام اصحاب کتب حدیث امامؒ کے بالواسطہ شاگرد ہیں۔ امام محمدؒ، شیخین و تلامذہ کے ماویٰ و ملجا تھے۔ امامؒ ورع و تقویٰ میں یکتا تھے۔ امام طبیب امت تھے۔ امام اس طبیب حاذق کی طرح تھے جو ہر بیماری کی دوا جانتا ہے۔ امامؒ مؤید من اللہ تھے۔ امامؒ خدا کی رحمت تھے۔ جاتے جاتے جبل اسلامی یہ افادہ اپنی زبان سے ارشاد ہے: (مذہب کل و ثانی طریقہ، الا ان طریقی لا امورتہ و استمہ فی طریقکم لتعیشوا واللہ یعلم ای الفریقین اھدی سبیلا) (ابوحنیفہ بطل الحریۃ والتسامح فی الاسلام ۲۴۳)

مراجع و مصادر

۱۔ حیات حضرت امام ابوحنیفہؒ — محمد ابو زہرہ
۲۔ سیرت النعمانؒ — علامہ شبلی نعمانیؒ
۳۔ خلافت و ملوکیت — ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۴۔ ضحی الاسلام — احمد امین
۵۔ انوار — مولانا سید احمد رضا بجنوری۔ جلد اول
۶۔ ابوحنیفہؒ بطل الحریۃ والتسامح فی الاسلام — عبدالحلیم الجندی
۷۔ سالنامہ "نگار" ۱۹۵۵ء جنوری، فروری (علوم اسلامی و علما نمبر) مرتب نیاز فتحپوری

جناب مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب
جناب مولانا شہباز احمد اصلاحی صاحب

پیغامات

عزیز رفقائے جامعہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کی انجمن، انجمن طلبہ قدیم، جو بحمد اللہ ایک متحرک اور باعزم تنظیم ہے، آج اپنی دوسالہ کانفرنس منعقد کر رہی ہے۔ اس کانفرنس کے ذریعہ جہاں لوگوں کو بالخصوص اس درسگاہ سے تعلق خاطر رکھنے والوں کو انجمن کے مقاصد سے، اس کی کارکردگی سے، اس کے مستقبل کے عزائم سے واقف ہونے کا موقع ملے گا وہیں آپ لوگوں کو بھی متعدد اکابر دین وملت کے بیش قیمت خیالات سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل ہوگی۔

اس کانفرنس کا انعقاد آپ کے لئے جس طرح مسرت کا موجب ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر خود احتسابی کا موقع بھی فراہم کر رہا ہے۔ آپ نے جس عظیم مقصد کی خاطر اپنی زندگی کے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں شب وروز یہاں صرف کئے ہیں اور پھر اس کے تقاضوں کی منظم تکمیل کے لئے اپنی انجمن کی تشکیل کر رکھی ہے، دیکھیں، غور سے دیکھیں کہ اس کی خدمت کا حق کس حد تک ادا ہو رہا ہے۔ جائزہ لیں کہ آپ کے ذہنوں کے اندر اس مقصد کی محبت کس گہرائی تک اتری ہوئی ہے اور آپ کی عملی سرگرمیوں سے اس کے ساتھ کس تعلقِ خاطر کا اظہار ہو رہا ہے؟ اس گہرے جائزے کے نتیجے میں جو خلا بھی نظر آئے اسے پُر کرنے کی ٹھوس تدبیریں سوچیں۔ اسی شکل میں یہ کانفرنس ایک رسمی یا نمائشی کانفرنس کے پست مقام سے اوپر اٹھ کر ایک مفید، با مقصد اور نتیجہ خیز کانفرنس ثابت ہو سکے گی۔

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس وقت دینی درسگاہوں کا جال پھیلتا جا رہا ہے اور طالبین علوم دین کی تعداد بھی برابر بڑھتی جا رہی ہے، مگر اس احساسِ مسرت پر اس وقت اوس سی پڑ جاتی ہے جب نظر اس طرف جاتی ہے کہ ان درسگاہوں سے اتنے بالغ نظر، وسیع العلم اور خدا شناس علماء اٹھتے دکھائی نہیں دے رہے ہیں جتنے ان درسگاہوں اور ان کے کثیر التعداد فیض یافتگان کے تناسب سے

اٹھنے چاہئیں۔ آپ کی پوری کوشش ہونی چاہئے کہ آپ پر یہ صورت حال صادق نہ آنے پائے، میری اس بات کو آپ میری فطری آرزو بھی سمجھیں اور اپنے لئے میرا ایک جامع پیغام بھی۔

دعا ہے کہ آپ کو اس سلسلے میں اللہ رب العالمین کی مدد، اس کی توفیق اور اس کی رہنمائی حاصل رہے۔ اور یہ کانفرنس آپ کے حق میں، جامعۃ الفلاح کے حق میں اور دین وملت کے حق میں مفید و بابرکت ثابت ہو۔

والسلام

صدر الدین اصلاحی ۔ ۲ فروری ۱۹۸۸ء

عزیزان گرامی!

دلی خواہش تھی کہ آپ کے اجتماع میں شریک ہو کر آپ کی سرگرمیاں آنکھوں سے دیکھتا اور عرصہ دراز کے بعد سب سے ملتا۔ لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ آپ جانتے ہیں میں بیمار ہوں۔ ابھی تک دوروں کا سلسلہ جاری ہے، بہت سی پابندیاں ہیں جن کو سفر میں برقرار رکھنا دشوار ہے۔ اس لئے تحریری طور پر نصف ملاقات ہی کو غنیمت سمجھتا ہوں۔ آپ تمام حضرات میرا بہت بہت سلام قبول فرمائیں، اور جو نہیں آسکے ہیں ان کو بھی جہاں تک ممکن ہو پہنچا دیں اور دعا کریں کہ زندگی کے جو دن باقی رہ گئے ہیں وہ عافیت سے گزر جائیں اور اللہ تعالیٰ اپنے یہاں ستاری و غفاری کا معاملہ فرمائے۔

میں آپ سب سے بہت دور ہوں لیکن آنے جانے والوں اور حیات نو کے ذریعہ آپ کی سرگرمیوں کی اطلاع ملتی رہتی ہے۔ یوں تو کم و بیش سبھی مدرسوں میں طلبۂ قدیم کی انجمنیں قائم ہیں لیکن بیشتر بس نام کی ہیں۔ مدرسے کے کسی بڑے جلسے کے وقت آنے والے طلبہ مل بیٹھتے ہیں اور پھر اپنے اپنے مقام پر چلے جاتے ہیں۔ کوئی مستقل پروگرام نہیں چلتا۔ لیکن الحمد للہ آپ کے یہاں ایسا نہیں ہے۔ میری معلومات کی حد تک آپ کی انجمن طلبۂ قدیم شاید واحد انجمن ہے جو مستقل پروگرام رکھتی ہے، مادر علمی سے قلبی تعلق رکھتی ہے۔ وہاں کے ذمہ داروں کے خلاف محاذ بنانے کے بجائے تعاون کرتی ہے اپنے پیش روؤں اور پس رو ساتھیوں کی خبر گیری کرتی اور ممکن تعاون کرتی ہے۔ یہ میرے ہی لئے نہیں، ہر اس شخص کے لئے جو جامعہ سے قلبی

لگاؤ رکھتا ہے انتہائی خوشی کی بات ہے۔ آپ کی انجمن ایک فعال، متحرک اور سرگرم انجمن ہے۔ میں آپ کو کیا پیغام دوں۔ میں خود آپ کی سرگرمیوں سے اپنے دل کی بجھتی ہوئی حرارت کو بچانے میں مدد لیتا ہوں۔ بس علامہ شبلیؒ کی زبان میں اتنا کہہ سکتا ہوں ؎

کیے تھے ہم نے بھی کچھ کام، جو کچھ ہم سے بن آئے
یہ قصہ جب کا ہے، باقی تھا جب عہد شباب اپنا
اور اب تو یہ ہے، جو کچھ امیدیں ہیں وہ تم سے ہیں
جواں ہو تم، لب بام آ چکا ہے آفتاب اپنا

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس لائق بنائے کہ میری اور میرے جیسے بہت سے لوگوں کی امیدیں جو آپ سے وابستہ ہیں وہ پوری ہوں، آپ سب کے سب علم و عمل اور اخلاق و شرافت کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر روشن ہوں۔ جامعۃ الفلاح ہی نہیں پوری ملت کی کشتی کو آپ بھنور سے نکالنے میں پورے طور پر مددگار ثابت ہوں اور اپنے آقا و مولیٰ کے حضور میں بامراد اور سرخرو قرار پائیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعاگو۔ شہباز (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ سابق استاذ جامعۃ الفلاح)

بقیہ - روداد انجمن

پیش کی جاتی ہیں۔

یہ ہے ہماری انجمن اور اس کے افراد کی کارکردگی کا مختصر جائزہ، جس کے پیش کرنے کا مقصد حاشا و کلا یہ نہیں کہ ہم نے مادر علمی پر کوئی احسان کیا ہے جس کا ہم کوئی معاوضہ چاہتے ہیں۔ بلکہ اس کے ہم پر عظیم احسانات سے ہم زیر بار ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ابھی جو کچھ کرنا چاہئے ہم نہیں کر پاتے۔ لیکن عزم و حوصلہ ضرور رکھتے ہیں کہ ہر آن و ہر لحظہ انشاء اللہ اس کی خدمت کرتے رہیں اور اس کی فلاح و بہبود کے حصول میں کوئی دقیقہ بھی فروگزاشت نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

خطاب عام

دینی تعلیم کی اہمیت وضرورت

جناب مولانا محمد طاہر صاحب عمری مدنی۔ استاذ جامعۃ الفلاح

انجمن کے پروگرام خطاب میں آپ نے "دینی تعلیم کی اہمیت وضرورت" پر تقریر کی تھی۔ تلخیص پیش کی جاتی ہے۔ (ادارہ)

علم کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ اس اہمیت کا اندازہ آپ قرآن مجید کی سب سے پہلی نازل شدہ آیت سے کیجئے۔ ارشاد ہے: "اقرأ باسم ربك الذي خلق خلق الانسان من علق۔ اقرأ وربك الاكرم الذي علم بالقلم علم الانسان ما لم يعلم"۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد خلافت کے استحقاق کی بنیاد علم کی صلاحیت کا رکھنا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے وحدانیت و آخرت کے سلسلے میں متعدد اسلوب بیان کے ذریعہ سمجھایا ہے لیکن ایک جگہ فرمایا ہے: "وتلك الامثال نضربها للناس لقوم يعلمون"۔ سورہ فاطر میں ہے: "انما يخشى الله من عباده العلماء"۔ دوسری جگہ ہے: "يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين اوتوا العلم درجات"۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب رسالت ان آیات میں بیان کیا گیا ہے: "هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم کہا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: "قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون"۔

احادیث سے بھی علم کی اہمیت آشکارا ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: العلماء

ورثۃ الانبیاء"۔ ایک دوسری حدیث یہ ہے: "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" اس حدیث میں حصول علم کو فریضہ کہا گیا ہے، لہٰذا جب یہ فریضہ ہے تو عبادت ہے۔ اس کا حصول ضروری ہے۔ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر واقع ہوا، ستر قتل کیے گئے، اور جنگی قیدی بنائے گئے۔ ان جنگی قیدیوں کی رہائی کے لیے یہ بھی راستہ نکالا گیا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ آپؐ نے حصول علم پر کافی زور دیا ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کے قیام کے دوران آپ نے ایک خطبہ دیا جو قابل غور و فکر ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "ما بال اقوام لا یفقھون جیرانھم ولا یعلمونھم" الخ۔ آپؐ نے اس حدیث میں بہت سخت انداز میں حصول علم کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یعنی علم حاصل کرنا ضروری ہے اور اگر نہیں معلوم تو "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون"۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد احادیث میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عالم کو عابد پر فضیلت دی ہے لہٰذا علم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ قرآن و سنت کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں پر علم حاصل کرنا فرض ہے حتیٰ کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کیلئے ایک دن خاص کر دیا تھا اور انھیں علم سکھاتے تھے۔

اسلام نے علم کو تو اتنی اہمیت کیوں دی؟ اس کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) کائنات کو سمجھنے اور اس کائنات میں انسان کے وجود کی اہمیت کو معلوم کرنے کیلئے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

(۲) دنیا کی امامت، فکری، سیاسی، رہنمائی اور قیادت کا مقام انہی قوموں کو دیا جاتا ہے جو علم کے میدان میں اپنی برتری ثابت کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں نے اپنی برتری دنیا کے سامنے پیش کی تو دنیا کی امامت انھیں ملی۔

(۳) امت کا مستقبل ان شروط کے ساتھ مشروط ہے کہ امت کے افراد میں اس بات کا جذبہ پایا جاتا ہو کہ وہ نئی نسل کو علم کی دولت سے مالا مال کریں۔ ارشاد ہے: "یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا"۔

یہ حقیقت ہے کہ جب تک مسلمانوں نے علم کی دولت سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ رکھا وہ سربلند رہے، اور آج مسلمانوں نے علم کو ضائع کر دیا جس کی وجہ سے انحطاط کے شکار ہیں۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے یہاں علم یہ نہیں تھا کہ صرف علم دین پڑھتے تھے بلکہ ساتھ ساتھ علوم و فنون، علم و ہیئت وغیرہ ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ ان لوگوں نے علم و عبادت کو بیک وقت حاصل کیا، اور عام کیا اور جب علوم و فنون نے ترقی کی تو علوم انسانیت کی خدمت کیلئے استعمال کیا گیا لیکن آج علوم فتنہ و فساد پیدا کرنے کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس وقت ہمارے خلاف زبردست سکیمیں چل رہی ہیں اسلئے فرد کی ہمہ جہت تیاری کی ضرورت ہے اندر وہی جذبہ پیدا ہو جیسے کہ قرون اولیٰ میں تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں علم کی اہمیت و ضرورت کو سمجھنے، اسکے حاصل کرنے، اور دوسرے لوگوں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ••

خطاب عام

ملک کی موجودہ صورتحال اور ہماری ذمہ داریاں

جناب مولانا مقبول احمد فلاحی، ناظم جماعت اسلامی علاقہ بریلی

۱۳ فروری ۱۹۸۸ء بعد نماز عشاء خطاب عام کا پروگرام تھا جناب مولانا مقبول صاحب فلاحی نے "ملک کی موجودہ صورت حال اور ہماری ذمہ داریاں" کے عنوان پر خطاب فرمایا۔ تلخیص پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

یہ موضوع ایک اہم موضوع ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کے لئے اس کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے جو دین اسلام کے مبلغ ہیں۔ جو لوگ دین اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کو قائم کرنے کا عزم رکھتے ہیں ان کے لئے ملک کے حالات کا جائزہ لیتے رہنا نہایت ضروری ہے۔ خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمارے سامنے ہے۔ آپ صرف خطہ عرب ہی نہیں بلکہ قرب و جوار کی حکومتوں کے حالات سے بھی واقفیت رکھنا ضروری سمجھتے تھے اور رکھتے تھے۔ لہٰذا ہم تمام اسلام کے داعی ہیں۔ ہمارے لئے حالات سے واقفیت رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ہم ہندوستان کے شہری ہیں۔

میں ملک کی موجودہ صورتحال آپ کے سامنے کیا رکھوں؟ ملک کی موجودہ صورت حال آپ کے سامنے ہے۔ آخر میں آپ کے سامنے کون سی ایسی بات کہوں جو آپ کے علم میں اضافہ کر سکے۔ اگر میں موجودہ صورتحال پر تبصرہ کروں تو یہی کہوں گا کہ چوری، ڈاکہ زنی، مار کاٹ، لوٹ، غنڈہ گردی، آوارگی، رشوت، مہنگائی وغیرہ وغیرہ چیزیں اس وقت ہو رہی ہیں۔ ان تمام چیزوں کو ہر شخص جانتا ہے۔ ملک کی موجودہ صورت حال آپ دیکھ رہے ہیں، محسوس کر رہے ہیں بلکہ آپ بھگت رہے ہیں۔

موجودہ صورت حال کی وجوہات میں بنیادی وجہ ذہنی غلامی کا ہونا ہے۔ ہم تمام

انگریزوں کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں۔ ہماری ذہنی غلامی کو صرف اسلام دور کر سکتا ہے اور ملک کی موجودہ صورت حال کو دور کرنے کا ذریعہ خود ہندوستانیوں کے بھائی مسلمانوں کے پاس ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم انہیں بتائیں کہ اب تک تم اس مہلک مرض میں مبتلا ہو اور تمہیں کوئی دوا فائدہ نہیں پہنچا رہی ہے۔ تم گھبراؤ نہیں تمہارے اپنے بھائی مسلمانوں کے پاس اس کی مجرب دوا ہے۔

دوسری وجہ نفرت کی رہا ہے۔ ہر چہار جانب نفرت ہی نفرت ہے اور یہ نفرت بسا اوقات شدت کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ آج پنجاب گورکھا لینڈ کی صورتحال آپ کے سامنے ہے۔ اسی طرح ہندو اور مسلمانوں کے درمیان بھی نفرت ہے۔ اس نفرت کی وجہ مسلمان بادشاہوں کی بیان تاریخ ہے انھوں نے دین اسلام کو ہندوؤں کے سامنے صحیح ڈھنگ سے پیش نہیں کیا ورنہ آج ہمارے اور انکے درمیان نفرت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہندوؤں کی اس نفرت کی ایک بڑی وجہ احساس محرومی ہے یعنی ہندوؤں نے سوچا کہ ہم مسلمانوں کے غلام تھے، انگریزوں کے غلام تھے اور پھر ہم مسلمانوں کے غلام نہ ہو جائیں۔

ملک کی اس صورتحال کے پیش نظر ہماری ذمہ داریاں کافی بڑھ جاتی ہیں سب سے پہلے ہمکو قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔ ہمیں سب سے پہلے اپنی حالت خود بدلنی ہوگی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ۔

ہم تمام کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے ورنہ خدا کا عذاب ہم سب پر آ جھپٹے گا۔ وہ گروہ بنی اسرائیل کا آپ کے سامنے ہے جس کے یہاں سبت کا دن محترم تھا ایک طبقہ اس دن کی بے حرمتی کرتا تھا، ایک طبقہ بے حرمتی تو نہ کرتا تھا لیکن لوگوں کو روکتا بھی نہ تھا لیکن ایک طبقہ ایسا تھا جو بے حرمتی نہیں کرتا تھا اور لوگوں کو روکتا بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی گروہ کو بچایا۔

حب الدنیا وکراہیۃ الموت جیسی صورت حال ہمارے یہاں پیدا ہو چکی ہے۔ اس صورت حال کو جلد از جلد ختم کرنا ہوگا۔ اور تعلق باللہ کو مضبوط کرنا ہوگا۔ اگر متحد ہو کر خدا کے دین کی تبلیغ کی جائے۔ لہٰذا جب تک امت مسلمہ اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے کے لئے نہیں اٹھے گی امن و سکون نہیں مل سکتا۔

اس وقت اسلام پر داخلی اور خارجی چیلنجز ہیں۔ ان چیلنج کا آپ کو سامنا کرنا ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان چیلنجز کا منہ توڑ جواب دیں اور اس کے لئے ممکن حد تک ذرائع و وسائل استعمال کئے جائیں خصوصاً اخبارات و رسائل میں اس پر تبصرے آنے چاہئیں۔

(باقی صفحہ ۔۔ پر)

ابن جریر طبری اور انکی تفسیر جامع البیان

عبدالرحمن خالد فلاحی، جامعۃ الفلاح

ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الطبری ۲۲۴ھ/۸۳۹ء میں طبرستان میں پیدا ہوئے اور ۱۲ سال کی عمر ہی میں طلب علم کی غرض سے گھر کو خیرباد کہہ دیا اور اسی غرض سے مصر، شام اور عراق کا سفر کیا۔ آخر میں بغداد میں قیام پذیر ہو گئے اور بغداد ہی میں ۳۱۰ھ/۹۲۳ء میں مالک حقیقی سے جا ملے۔

علم و فضل ابن جریر کا شمار علماء کبار میں ہوتا تھا۔ اہل علم کے مرجع تھے، تمام علوم کے سمندر تھے، ان کا ہم عصر ان کے ہم عصروں میں کوئی نہ تھا۔ وہ ایک طرف حافظ قرآن تھے تو دوسری طرف قرآن میں گہری بصیرت رکھتے تھے، ایک طرف معانی و لغت پر عبور حاصل تھا تو دوسری طرف مسائل و احکام کے استنباط و استخراج میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو لوگ اس وقت فقہاء میں شمار کرتے ہیں۔ حدیث میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ احادیث کی اسناد، صحت و سقم، ناسخ و منسوخ پر گہری نظر تھی ساتھ ہی ساتھ ایک عظیم مورخ تھے۔ منقول ہے کہ وہ چالیس سال تک ہر روز چالیس ورق لکھنے کا معمول تھا۔

تصنیفات جامع البیان فی تفسیر القرآن، کتاب التاریخ المعروف بتاریخ الامم والملوک، کتاب القرأت، عدد التنزیل، کتاب اختلاف العلماء، تاریخ الرجال من الصحابہ والتابعین، کتاب احکام شرائع الاسلام، کتاب التبصیر فی اصول الدین۔ لیکن ان میں سے صرف دو کتابیں بروقت موجود ہیں ایک تاریخ الامم والملوک اور دوسری جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ اس کا مختصر تعارف کرانا منفعت سے خالی نہ ہوگا۔

مقصد تالیف صاحب معارف القرآن فرماتے ہیں کہ در اصل اس تفسیر کی تصنیف کا

مقصد یہ تھا کہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں جس قدر روایت دستیاب ہوں ان سب کو جمع کر دیا جائے تاکہ اس جمع شدہ مواد سے کام لیا جا سکے۔ البتہ انھوں نے ہر روایت کے ساتھ سند بھی ذکر کر دی ہے تاکہ جو شخص چاہے راویوں کی تحقیق کر کے روایت کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کر سکے۔ اس کی شہادت ابن سبکی کی اس روایت سے ملتی ہے کہ ابن جریر نے اپنے تلامذہ سے کہا کہ کیا تم تفسیر قرآن سے پوری طرح نشاط و انشراح حاصل کرنا چاہتے ہو تو انھوں نے کہا کہ وہ کتنی ہو گی۔ ابن جریر نے کہا کہ تیس ہزار ورق، تو ان کے تلامذہ نے کہا کہ یہ تو ختم ہونے سے پہلے ہماری عمروں کو ختم کر دے گی۔ تب ابن جریر نے اس کو تقریباً تین ہزار ورق میں مختصر کیا۔

طریقۂ تالیف

ابن جریر پہلے آیات کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال نقل کرتے ہیں پھر جو قول ان کے نزدیک راجح ہوتا ہے اسے دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ استشہاد کے لئے لغات، احادیث اور اشعار جاہلی کا استعمال کرتے ہیں نیز عقل و روایت سے بھی کام لیتے ہیں مثلاً فقلنا اضربوه ببعضها پر اس طرح گفتگو کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گائے کے بعض حصے سے مقتول کو مارنے کا حکم دیا تھا۔

لیکن اب اس آیت میں کوئی ایسی دلیل یا کوئی خبر نہیں جو بقرہ کے جزو کو متعین کر سکے اور جس کے ذریعہ اتمام حجت ہو۔ چنانچہ جائز ہے کہ وہ بعض سے ران یا دُم یا مونڈھا مراد لیں۔ اب رہی یہ بات کہ بنی اسرائیل نے مقتول کو کس جزو سے مارا۔ اس کے جاننے اور نہ جاننے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس طرح ابن جریر صرف آثار منقول تک محدود نہیں رہ جاتے بلکہ وہ عقل و روایت سے بھی کام لیتے ہیں۔

تفسیر طبری علماء کی نظر میں

تفسیر کی کتابیں صحابہ اور تابعین کے بعد تالیف ہوئیں کیونکہ اس سے قبل صحابہ اور تابعین بالمشافہ علم حاصل کیا کرتے تھے لیکن جب علماء نے تابعین کے بعد اس کو تالیف کرنا شروع کیا تو مختلف رجحانات کا اقتصار کرنا شروع کر دیا۔ انھیں تفاسیر میں سے ایک تفسیر طبری ہے جس کے متعلق امام السیوطی فرماتے ہیں کہ ابن جریر محض نقل اقوال اور محض روایت کر دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ترجیح اقوال سے بھی تعرض کرتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح دیتے اور اعراب و استنباط سے بھی بحث کرتے ہیں۔ اس بنا پر ان کی

تفسیر کو دیگر تفاسیر پر فوقیت حاصل ہے۔

علامہ نووی اپنی تہذیب میں بیان کرتے ہیں کہ تفسیر میں ابن جریر کی کتاب کے مثل کسی اور کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جو تفاسیر لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچی ہیں تفسیر ابن جریر کا پایہ تو ہیں کیونکہ یہ سلف کی باتوں کو صحیح سند کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اس میں بدعت نہیں ہے اور یہ متہم لوگوں سے روایت نہیں کرتے جیسے مقاتل ابن بکیر اور کلبی۔

عبدالحق دہلوی تفسیر حقانی میں لکھتے ہیں کہ تفسیر ابن جریر منقولات میں بہت عمدہ ہے۔ اس کی بیشتر روایات صحیح ہیں۔ امام نووی نے تہذیب میں اس کی بڑی مدح کی ہے۔

صاحب معارف القرآن کہتے ہیں کہ امام طبری اونچے درجے کے مفسر، محدث اور مؤرخ ہیں۔ بعض حضرات نے ان پر شیعہ ہونے کا الزام عائد کیا ہے لیکن محققین نے اس الزام کی تردید کی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ اہل سنت کے جلیل القدر عالم ہیں بلکہ ان کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے اور بعد کی تفاسیر کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ تفسیر ایک زمانہ تک ناپید رہی ایک نسخہ امیر حمود آل رشید کے خزانہ سے لایا گیا۔ اس کا مقابلہ ایک دوسرے نسخے سے کرایا گیا جو دارالکتب سلطانیہ مصر میں دس ضخیم جلدوں میں تھا۔ مطبعہ میمنہ مصر نے ۱۳۲۱ھ میں شائع کیا۔ اس کے بعد ۱۳۲۳، ۱۳۲۹، ۱۳۵۵ء اور ۱۳۷۳ تا ۱۳۷۹ اور ۱۹۵۵ تا ۱۹۵۸ء اور ۱۹۶۰ تا ۱۹۷۰ میں مختلف مکتبات سے شائع ہوا۔

بقیہ: ملک کی موجودہ صورت حال اور ہماری ذمہ داریاں

ہم تمام گزشتہ کوتاہیوں کا ازالہ اختیار کرنا چاہئے۔ انتشار کی فضا ہر سو قائم ہے اور یہ نفاق کوئی دنوں سے ہے۔ اب وقت کی ضرورت ہو، اتحاد و اتفاق کو اپنائیں اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ملک کی موجودہ صورت حال کو بدلنا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے یہاں حکومت بھی ہونی چاہئے۔ خدا کے دین کو بندگان خدا تک پہنچایا جائے، مثبت انداز میں دین پھیلایا جائے اور لوگوں نے دین کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام لوگوں کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکیں اور اس کو حسن و خوبی انجام دے سکیں۔ ۔۔

جناب مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب

حج بدل

اختصار کے پیش نظر سوال حذف کر دیا گیا ہے

آپ کے لکھنے کے مطابق مکہ مکرمہ کے جس ادارے میں حج بدل کرانے کے لئے روپیہ جمع کرتے ہیں وہ حج بدل کرا دیتے ہیں۔ مجھے امید یہی ہے کہ حج بدل کے لئے روپیہ جمع کرنے والے اس حج کے مسائل سے واقف ہونے کے بعد خوب سمجھ بوجھ کر ہی ایسا کرتے ہوں گے۔ اور اس ادارے والے بھی حج بدل کے شرائط کے مطابق ہی ایسا کرتے کراتے ہوں گے کیونکہ اگر ان شرائط کے مطابق حج بدل ادا نہ کرایا جائے تو وہ ادا نہیں ہوگا اور کرانے والے کے ذمے سے فریضۂ حج ساقط نہیں ہوگا۔ اس لئے یہاں ذیل میں اس کی شرطیں تحریر کرتا ہوں آپ ان شرطوں کو سامنے رکھ کر مذکورہ فی السوال حج بدل کی صحت و عدم صحت کے بارے میں سمجھنے کی کوشش کریں۔

(۱) اس کی ایک شرط یہ ہے کہ حج بدل جس کی طرف سے ہو اس پر حج فرض بھی ہو ورنہ یہ حج بدل اس کے آئندہ فرض ہونے والے حج کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

(۲) اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص جس کی طرف سے حج کرایا جا رہا ہے بذات خود حج کرنے سے معذور و عاجز ہو یعنی خود حج کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اگر وہ خود حج کر سکنے کے قابل ہو تو اس کی طرف سے حج بدل نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو حج خود کرنا ہوگا اور یہ بھی یاد رکھئے کہ معذوری دو قسم کی ہوتی ہے۔

ایک یہ کہ وہ معذوری ایسی ہو جس کے زائل ہونے کی زندگی میں امید ہو تو ایسی معذوری کا زندگی بھر یعنی موت تک رہنا صحت حج بدل کے لئے شرط ہے۔ اگر وہ معذوری موت سے پہلے زائل ہو جائے تو اسے اب خود حج کرنا پڑے گا اور وہ حج بدل جو کسی دوسرے شخص سے کرا چکا ہے ناکافی ہے یعنی اس حج کی وجہ سے حج عنہ سے فرض ساقط نہیں ہوا۔

دوم یہ ہے کہ وہ معذوری ایسی ہو کہ زندگی میں اس کے زائل ہونے کی امید نہ ہو جیسے بڑھاپے کا ضعف یا اندھا ہونا یا پیر دونوں کا کٹا ہوا ہونا وغیرہ۔ تو اس معذوری کا آخری وقت یعنی موت تک باقی رہنا شرط نہیں ہے۔ اگر اتفاق سے بڑھاپے کا ضعف کسی دوا یا غذا سے کم ہو جائے اور وہ اس قابل ہو جائے کہ خود حج کر سکے یا نابینا بینا ہو جائے تو اب اس کو دوبارہ خود حج کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہی کرایا ہوا حج بدل کافی ہے اور اس کے سر سے فریضۂ حج اتر چکا ہے۔

(۳) صحت حج بدل کی تیسری شرط یہ ہے کہ یہ معذوری حج بدل کرانے کے پہلے ہی سے موجود ہو۔ اگر اس وقت نہ ہو بلکہ بعد میں پیدا ہو جائے تو اس معذوری کا اعتبار نہیں ہے۔ یعنی وہ پہلے کرایا ہوا حج بدل صحیح نہیں ہوا بلکہ اب جب معذوری پیدا ہوگئی پھر سے کوئی حج بدل کرا دیجئے۔

(۴) حج بدل کی چوتھی شرط یہ ہے کہ حج بدل کرنے والا حج عنہ کی طرف سے احرام باندھنے کی نیت کرے اور افضل یہ ہے اس کی طرف سے تلبیہ کہے یعنی زبان سے بھی لبیک عن فلاں الخ کہہ دے۔ اگر اس کا نام بھول گیا ہو تو یہ کہے یا نیت کرے جس نے مجھے حج کے لئے بھیجا ہے اس کی طرف سے احرام باندھتا ہوں اور تلبیہ کہتا ہوں اور احرام باندھتے وقت حج میں یا میقات پر ہونا بھی شرط ہے۔

(۵) حج بدل کی صحت کی ایک شرط یہ بھی ہے جس کی طرف سے حج بدل کیا جاتا ہے اس نے حج کرنے کا حکم دیا ہو یعنی یہ کہا ہو کہ تم میری طرف سے حج کر دو۔ اگر کوئی شخص اس کے کہے بغیر ہی اس کی طرف سے حج بدل کر دے تو اس شخص کے ذمے سے فرض ساقط نہیں ہوگا جس کی طرف سے اس نے کیا ہے۔ ہاں البتہ وہ شخص جس کے اوپر حج فرض ہو مگر وہ ادا نہ کر سکا ہو اور اس کی موت کا وقت آ جائے تو اپنی طرف سے حج بدل کرنے کی وصیت کر دے کہ میری طرف سے حج کرا دینا تو یہ وصیت بھی حکم ہے۔ اگر کوئی اس کی طرف سے حج کر دے گا تو حج ادا ہو جائے گا اور فرض اس کے ذمے سے ساقط ہو جائیگا۔

ہاں البتہ اس کا کوئی وارث اس کی وصیت کے بغیر بھی اپنی جانب سے حج کر دے یا کسی سے کرا دے تو یہ درست ہے یعنی اسکے اس مورث کے سر سے فریضۂ حج ساقط ہو جائے گی۔

(۶) حج بدل کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ حج کرنے والے نے حج کرانے والے کے مال سے خرچ کیا ہو۔ اور اگر حج کرنے والے نے خود اپنا مال اتنا زیادہ لگا کر اس کی طرف سے حج بدل کر دیا تو یہ حج

ادا نہیں ہوا۔ ہاں اگر زیادہ تر مال تو حج کرنے والے ہی کا ہو اور کچھ مزدوری یہ اپنا مال بھی لگا دے تو جائز ہے۔

(۷) حج بدل کی ساتویں شرط یہ ہے کہ اسے جس کو حج بدل کا حکم دیا ہو وہی حج کرے، اگر مامور نے دوسرے سے حج کرایا تو درست نہیں ہوگا۔ ہاں، اگر میت نے اپنی وصیت میں حج بدل کے لئے کسی خاص شخص کو مقرر کیا ہو لیکن وہ حج سے پہلے ہی مر جائے یا حج کرنے سے انکار کر دے تو ایسی صورت میں اگر کسی دوسرے سے حج بدل کرا دیا جائے تو جائز ہے۔

(۸) حج بدل کی صحت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اکثر مسافت زاد حج سواری پر طے کرے اور سواری کے جملہ مصارف محج عنہ کو دینے پڑیں گے۔ اگر وہ پیادہ جائے گا تو حج نہیں ہوگا۔

(۹) ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس شخص سے حج کرایا جائے وہ وہیں سے سفر حج شروع کرے جہاں وہ شخص رہتا ہے جس کی طرف سے حج کرتا ہے، یعنی اس کے وطن سے۔ اور اگر وہ شخص (محج عنہ) مر گیا ہو اور اس کے وارث اس کی طرف سے حج کراتے ہوں تو میت کا تہائی مال جس مقام سے کفایت کرے وہیں سے حج بدل کا سفر کیا جائے تو یہ درست ہے۔

(رد المحتار) اور اگر اس کا کوئی وطن نہ ہو تو وہ جس جگہ مرا ہو وہیں سے حج بدل کیا جائے گا اور اگر اس کے مختلف وطن ہوں تو جو مکہ مکرمہ سے قریب تر ہے وہاں سے سفر حج کا آغاز کیا جائے گا

(عالمگیری بحوالہ تاتارخانیہ)

ان شرائط مذکورہ کی پابندی حج بدل کرانے کرنے والے پر لازم ہے۔ ان کے بغیر حج بدل نہیں ہوتا۔ ان شرطوں کے علاوہ اور بھی ضمنی شرطیں کتب فقہ میں موجود ہیں، مگر ضمنی ہونے کی وجہ سے میں انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اب آپ اس تحریر کی روشنی میں مکہ مکرمہ کے اس ادارے میں روپے جمع کر کے حج بدل کرانے کرنے کے بارے میں غور و فکر کر کے فیصلہ خود کر سکتے ہیں کہ آیا اس صورت میں حج بدل درست ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اس ادارے کے بارے میں ان امور کی تفصیلات کا علم نہیں ہے اس لئے کوئی قطعی و حتمی فیصلہ ہاں یا نہیں میں کیسے لکھ سکتا ہوں۔

سیمینار

دینی مدارس اور انکے مسائل

چوتھے اجلاس کے تیسرے دن ۱۳ فروری [illegible] کو سیمینار کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس سیمینار کا مرکزی موضوع "دینی مدارس اور ان کے مسائل" تھا۔ اس کی صدارت صدر جامعۃ الفلاح جناب مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی نے فرمائی۔ شرکائے کرام میں چند حضرات تشریف لائے اور چند اپنی مجبوریوں کی بنا پر تشریف نہ لا سکے لیکن اپنے مقالات سے تعاون فرمایا۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ دینی مدارس میں تدریس قرآن کے مسائل۔ اس عنوان پر جناب مولانا محمد فاروق خاں صاحب صدر ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ نے اپنا مقالہ پیش کیا

۲۔ دینی مدارس میں تدریس حدیث کے مسائل۔ اس عنوان پر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب وکیل الجامعۃ السلفیہ بنارس نے مقالہ لکھا۔ آپ اپنی مجبوریوں کی بنا پر تشریف نہ لا سکے لیکن جناب مولانا عبد السلام رحمانی مدنی صاحب کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ عبد السلام صاحب نے آپ کا مقالہ پڑھ کر سنایا۔

۳۔ فقہی مسالک میں دینی مدارس کی پالیسی۔ اس عنوان پر جناب مولانا مجیب اللہ ندوی مہتمم جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ نے اپنا مقالہ پیش فرمایا۔

۴۔ دینی مدارس کی ذمہ داریاں اور ہندوستان کی ملت۔ اس عنوان پر جناب مولانا حبیب الرحمٰن عمری صاحب نے عمرآباد سے اپنا مقالہ بھیجا۔ اپنی مجبوریوں کی بنا پر آپ بھی تشریف نہ لا سکے۔ مقالے کو جناب مولانا محمد طاہر عمری مدنی صاحب نے پیش کیا۔

۵۔ مدارس اور جدید طریقۂ تدریس ــــ اس عنوان پر جناب مولانا ابو العرفان ندوی استاذ ندوۃ العلماء نے اپنا مقالہ پیش فرمایا۔

٦۔ طالبات کے اعلیٰ دینی تعلیم کا مسئلہ۔ اس عنوان پر جناب مولانا محمد عزیز صاحب مظاہری صاحب، استاذ جامعۃ الصالحات رامپور نے مقالہ لکھا۔ آپ تشریف لائے لیکن ضعف بصارت کی بنا پر خود مقالہ نہ پڑھ سکے آپ کا مقالہ جناب عبدالسلام بستوی فلاحی صاحب نے پیش کیا۔

٧۔ دینی مدارس میں نظام تربیت۔ موانع و مشکلات اور حل۔ اس عنوان پر جناب مولانا عبدالخالق سلفی صاحب لہریا سرائے دربھنگہ نے اپنا مقالہ پیش فرمایا۔

٨۔ دینی مدارس اور عصری علوم۔ اس عنوان پر جناب سید حامد صاحب سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے مقالہ لکھا۔ آپ بھی اپنی مجبوری کی بنا پر تشریف نہ لاسکے آپ کا مقالہ جناب معین الدین صاحب فلاحی نے پیش کیا

٩۔ مسلم مدارس اور نصاب تعلیم۔ اس عنوان پر جناب منظور احمد صاحب او ایس ڈی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے انگریزی زبان میں مقالہ لکھا۔ جناب خالد حامدی فلاحی صاحب نے اس مقالے کا ترجمہ کرکے پیش کیا۔

١٠۔ دینی مدارس کا نصب العین اور ان کے لئے جامع نصاب تعلیم کی تدوین۔ اس عنوان پر جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی استاذ جامعہ اثریہ مئو نے مقالہ لکھا۔ آپ کا مقالہ وقت کی تنگ دامنی کا شکار ہوگیا۔ آپ اپنا مقالہ پیش نہ کرسکے۔ ان شاء اللہ سیمینار کے عنوان سے چھپنے والی کتاب میں یہ مقالہ آپ ملاحظہ فرماسکیں گے۔

بحمد اللہ یہ سیمینار نہایت کامیاب رہا۔ تقریباً تمام ہی عنوان پر مقالات پیش کئے گئے۔ یہ سیمینار صبح ساڑھے آٹھ بجے سے شروع ہوا دوپہر کے وقفہ کے ساتھ شام کے تقریباً پونے نو بجے تک جاری رہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور بلوغ المرام

جناب محمد اسلام عمری۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علیگڈھ

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب زمین تپتی ہے تو رحمت باراں کا نزول ہوتا ہے۔ آخری شب کی تاریکی کے بعد سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے، جب معصیت حد سے گزر جاتی ہے تو رحمت خداوندی جوش میں آتی ہے، اسی طرح جب ظلم و تعدی اور حکومت کی آغوش میں باطل پر نکالنے شروع کرتے ہیں اور بیچ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہونے لگتا ہے تو قدرت اس کا بھی انتظام کرتی ہے۔ وہ کسی ایسے شخص کو اصلاح وتجدید کے خلعت سے نوازتی ہے جو بھولے بھٹکے لوگوں کی صحیح رہنمائی کرتا ہے، کفر وشرک کی ظلمت میں اور بدعت کی شب تاریک میں وہ سنت وہدایت کی شمع روشن کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظ ابن حجرؒ کو بھی اسی مقصد کے لئے پیدا کیا تھا۔ انھوں نے اپنی مقدور بھر کوشش اس کام میں صرف کی۔ آٹھویں صدی ہجری میں آپ کی شکل میں ایک نابغۂ روزگار نصیب ہوا۔ یہ اپنے زمانے کے بڑے عالم دین تھے۔ اس وقت چاردانگ عالم ان کی شہرت کا طوطی بول رہا تھا۔

ولادت

آپ کا نام مع حسب ونسب اس طرح ہے: احمد بن علی بن محمد بن حجر عسقلانی۔ اور کنیت ابوالفضل ہے۔ ٧٧٣ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ چونکہ عسقلان آپ کی جائے پیدائش ہے اسی مناسبت سے ابن حجر عسقلانی کے نام سے شہرت پائی۔

تعلیم

معمول کے مطابق وہ بچپن ہی سے مدرسے میں بٹھائے گئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کی، شعور کی تکمیل کے بعد علم حدیث کی طرف بڑھے اور اس فن میں مہارت پیدا کی۔ اس زمانے میں ان کے سوا کوئی حافظ حدیث نہ تھا۔ وہ زندگی میں متعدد بار قاضی القضاۃ کے منصب پر بھی فائز ہوئے، باوجود اس کے وہ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی پیچھے نہ رہے۔ مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔

اساتذہ

آپ کے اساتذہ کی فہرست بڑی لمبی ہے۔ چند اساتذہ یہ ہیں: تقی الدین العراقیؒ، سراج الدین بلقینیؒ، برہان الدین ابناسیؒ، عزالدین بن جماعہؒ، علاء الدین

شیرازیؒ وغیرہ۔ آپ نے حصول علم کی خاطر مختلف دور دراز مقامات کا سفر بھی کیا اور سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اس زمانے کے مشہور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اسکندریہ، قدس، شام، حلب، حجاز، دریمن کی خاک بھی چھانی اور تحقیقی کتابیں بھی لکھیں۔ شاید ان کی غیر معمولی محنت کا نتیجہ تھا کہ ان کی کتابیں عوام و خواص میں یکساں مقبول ہوئیں۔

تصنیفات

مؤرخین اور سیرت نگاروں کا اندازہ ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی طرح آپ نے بھی بہت ساری کتابیں لکھیں اور اس میدان میں کمال پیدا کیا۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد ایک سو پچاس (۱۵۰) تک پہنچتی ہے۔ چند اہم مندرجہ ذیل ہیں: فتح الباری شرح بخاری، تہذیب التہذیب، نخبۃ الفکر اور اس کی شرح نزہۃ النظر، الدرر الکامنہ اور نصب الرایۃ وغیرہ۔ ان میں فتح الباری شرح بخاری زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

بلوغ المرام - ایک تعارف

ایک مصنف کو اپنی تصنیف کردہ کتاب سے جو تعلق ہوتا ہے وہی ابن حجر عسقلانیؒ کا بلوغ المرام سے ہے۔

اس کتاب کا پورا نام "بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام" ہے (مقصد تک رسائی احکام کے دلائل کے مطابق) اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے انسانی زندگی کے لئے جو احکام دیئے ہیں اور ان کے حق میں جو دلائل فراہم کئے ہیں ان کی روشنی میں مقصد تک رسائی حاصل کی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک جامع مذہب ہے۔ اس میں دنیا و آخرت دونوں کی فلاح مضمر ہے۔ کتاب و سنت انسان کے لئے دو خزانے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان سے فائدہ حاصل کرنا ہمارا کام ہے۔ ظاہر ہے، ہر شخص ان ماخذات کا حق استفادہ نہیں کر سکتا۔ اس مقصد کی خاطر علمائے سلف نے بڑی کوششیں کی ہیں۔ قرآن حکیم کا ترجمہ و تفسیریں کیں۔ محدثین کرام کے زمانے میں احادیث کی مختلف کتابیں تصنیف کی گئی تھیں اور مختلف مجموعے بھی مرتب کئے گئے تھے۔ اس وقت اربعین کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی تھی (شاید اس کی وجہ اختصار ہو) چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی احادیث کا ایک مختصر مگر جامع مجموعہ مرتب کیا جس سے ان کی فن حدیث کی جلالت شان جھلکتی ہے۔ کتاب کو فقہی انداز میں مرتب کیا۔ طہارۃ، صلوۃ، جنائز، زکوۃ، صیام، حج، نکاح، جنایات، حدود، جہاد، اطعمہ، ایمان و نذور، قضاء، عتق اور کتاب الجامع جیسی کتابوں پر مشتمل یہ ذخیرہ امت کے سامنے پیش کیا۔

اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے جن میں ایمان کے بعد سب سے اہم نماز ہے۔ اور معلوم ہے کہ نماز ایک اہم عبادت ہے جس کے لئے طہارت و صفائی ضروری ہے۔ اسی لئے مؤلف کتاب نے سب سے پہلے کتاب الطہارت ذکر کر کے اس کے احکام بیان کر دیئے ہیں۔ پھر بالترتیب نماز (اس میں نماز جنازہ شامل ہے) زکوۃ، روزہ اور حج کا ذکر کیا ہے۔ معاشرتی امور میں بیوع اور نکاح کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اسلام معاملات کے سلسلے میں بھی احکام دیتا ہے۔ اسلام کا معاشرتی زندگی سے جو گہرا تعلق ہے، نکاح کو اس کا مظہر ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات، خاندان اور گھر کے دوسرے افراد کے درمیان تعلقات کی استواری بہت ضروری ہے۔ کتاب النکاح میں اسی طرح کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اسی طرح اسلام انفرادیت سے بڑھ کر اجتماعیت کا حکم دیتا ہے کیونکہ اس کے بعض احکام ایسے ہیں جن کو انفرادی زندگی میں تو روبہ عمل لایا جا سکتا ہے لیکن بعض احکام ایسے ہیں جو اجتماعیت کو مستلزم ہیں۔ اسلام سے ان کا تعلق اتنا ہی گہرا ہے جتنا کہ ایمان و عمل کا ہے۔ مثال کے طور پر حدود و جنایات، دیات و قضاء اور عتق وغیرہ کے مسائل ہیں ان پر اسی وقت عمل کیا جا سکتا ہے جب کہ ان پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہو اور یہ اسلامی حکومت کے زیر سایہ ہی ممکن ہوگا۔

ابن حجر عسقلانیؒ نے بلوغ المرام کے آخر میں کتاب الجامع کو رکھا ہے۔ اس کے تحت چند ایسی حدیثوں کو لائے ہیں جو انسان کو مکارم اخلاق تک پہنچانے والی ہیں۔ اعتدال و میانہ روی اور اجتناب عن المعاصی کی مکمل تفسیریں ہیں۔ اسلامی آداب کیا ہیں، ان کا حصول کس طرح ممکن ہے، زہد و ورع اسلامی زندگی کا ناگزیر جزو ہیں۔ نیکی اور حسن سلوک کو اسلام میں ایک خاص مرتبہ و مقام حاصل ہے۔ ذکر و دعا بھی ضروری ہیں۔ اس طرح بلوغ المرام صرف احکام ہی کی کتاب نہیں رہ جاتی بلکہ تربیتی خصوصیت بھی لئے اندر سموئے ہوئے معلوم ہوتی ہے۔ ان تمام احکام کے بیان کرنے میں مؤلف مرحوم نے اختصار کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور یہ سب ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے اسی کتاب کے مقدمہ میں اسکے مختصر ہونے کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

فهذا مختصر يشتمل على اصول الادلة الحديثية للاحكام الشرعية	یہ مختصر کتاب احکام شرعیہ کے لئے حدیثی دلائل کے اصول پر مشتمل ہے۔

بلوغ المرام کی خصوصیات

بلوغ المرام کی جملہ خصوصیات میں سے چند یہ ہیں: (۱) اس میں ذکر کی گئی تمام حدیثوں کو ان کے اصل روایت کرنے والوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے، یہ بہت ہی اچھا طریقہ ہے (۲) زیادہ تر صحاح ستہ کی روایتوں پر اعتماد کیا گیا ہے لیکن صرف انہی روایتوں پر مکمل بھروسہ بھی نہیں کیا گیا ہے بلکہ دوسرے محدثین کی کتابوں سے بھی حدیثیں لی ہیں، اور ان کی طرف منسوب کر دیا ہے (۳) ہر حدیث کے آخر میں اس کا درجہ بتا دیا ہے اور اس سے متعلق ائمہ کے اقوال بھی ذکر کر دیے ہیں مثلاً صححہ ابن خزیمہ و ابن حبان والحاکم۔ علم حدیث کا سارا دارومدار سند پر ہے اور اسی سے حدیث کو صحیح اور ضعیف میں فرق کیا جاتا ہے۔ مولف مرحوم نے اس کتاب کے مقدمہ میں اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ میں نے ہر حدیث کے آخر میں اس کے اصل روایت کرنے والے محدث کا نام ذکر کر دیا ہے کیونکہ اسی میں امت کی بھلائی ہے اس لیے کہ اگر کوئی شخص حدیث کا درجہ اور مرتبہ معلوم کرنا چاہے تو اس کے روایت کرنے والے محدث کے نام ہی سے معلوم کرے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی حدیث کو کئی محدثین نے روایت کیا ہو تو ہر ایک کا نام ذکر کرنا طوالت سے خالی نہ ہوتا۔ چنانچہ اس کے لئے چند اصطلاحیں اختیار کیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

سبعہ: بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد۔

ستہ: بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ۔

خمسہ: احمد، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ۔

اربعہ: ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ۔

ثلاثہ: ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ۔

متفق علیہ: بخاری اور مسلم۔

اس کے علاوہ روایت کردہ محدثین کا تذکرہ اس طرح کیا ہے: مثلاً اخرجہ ابن خزیمہ، رواہ الدارقطنی باسناد ضعیف، اخرجہ البیہقی، صححہ ابوحاتم وقفہ، رواہ الطبرانی باسناد ضعیف، رواہ عبدالرزاق والبزار وابن القطان وغیرہ (۴) ایک حدیث کی تمام سندوں کو ذکر کر دیا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس فن میں مولف کو کافی دسترس حاصل ہو (۵) صحاح ستہ کے علاوہ

دوسرے محدثین کے یہاں سے جو زائد الفاظ ہیں ان کو بھی بیان کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً زاد فلان و فیہ کذا کے الفاظ سے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے تاکہ پڑھنے والے کو آسانی ہو (۶) ہر باب کے شروع میں جگہ حدیثیں لائی گئی ہیں۔ جن حدیثوں پر ائمہ نے تنقید کی ہیں ان کو شروع میں ذکر کرنے سے پرہیز کیا ہے مثلاً باب صفۃ الصلوٰۃ کی پہلی ہی حدیث ائمہ ستہ کی تخریج کردہ ہے (۷) طویل حدیثوں کو اختصار کے ساتھ مگر جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے باوجود بھی مطلب و مفہوم بدلنے نہیں پایا ہے۔ فن حدیث میں یہ بھی بڑی مہارت کا کام ہے۔ مطول حدیثوں کے آخر میں "الحدیث" یا "فی حدیث طویل" کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں (۸) اس کتاب کو دوسری فقہی کتابوں کے انداز پر مرتب کیا ہے۔ پہلے طہارت پھر نماز وغیرہ کو بیان کیا ہے (۹) اس کتاب میں احادیث کا تکرار بھی پایا جاتا ہے لیکن انھوں نے ہر جگہ الگ مسئلہ کا استنباط کیا ہے۔ یہ طریقہ عملاً بہت کم ہے۔ (۱۰) مسئلہ کی وضاحت میں چاروں مذاہب کے دلائل بھی پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اس معاملہ میں انھوں نے تعصب سے بالاتر ہو کر قلم اٹھایا ہے کیونکہ جس مسلک کے حق میں حدیث صحیح ہوتی ہے اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ (۱۱) احادیث پر جرح و تعدیل بھی کی ہے۔ یہاں بھی اختصار کا پہلو اختیار کیا ہے مولف مرحوم کی جملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ایک اہم خصوصیت تھی جو ان کو فن حدیث میں حاصل تھی۔ ضعف کی نشاندہی ان الفاظ میں کی ہے۔ رواہ ابن ماجہ بسند ضعیف۔ فیہ راو مجہول، بسند واہ، بسند فیہ لین۔ اسی طرح تعدیل کے الفاظ بھی ہیں مثلاً صححہ، قواہ، اسنادہ حسن اور اخرجہ باسناد صحیح وغیرہ۔ (۱۲) ایک مرتبہ کسی نے امام صنعانی جو (سبل السلام کے مصنف) ہے حدیث کی کسی جامع کتاب کے بارے میں معلوم کرنا چاہا تو انھوں نے جواب دیا کہ "سب سے زیادہ جامع دو کتابیں ہیں ایک بلوغ المرام اور دوسرے منتقی الاخبار، فرق صرف اتنا ہے کہ اول الذکر مختصر ہے اور مؤخر الذکر مطول۔ ان دونوں کتابوں کی کوئی نظیر نہیں ہے"۔ امام صنعانی کے اس تبصرہ سے بلوغ المرام کا مرتبہ واضح ہو جاتا ہے۔ ••

اسلامی فقہ اور اسکے جدید تقاضے

جناب مولانا مفتی محمد حسن صاحب، استاذ جامعۃ الفلاح

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دئے ان کو قرآن میں جمع و محفوظ کر دیا گیا۔ انہی احکام کو ہم شریعت یا شرعی احکام سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کا بنیادی ماخذ قرآن کو قرار دیتے ہیں لیکن شعوری اور ابدی نظام زندگی کا ماخذ ہونے کی حیثیت سے یہ ممکن نہ تھا کہ قرآن میں ہر زمانے کے تفصیلی احکام، مرتب اور منطبق کر دیے جاتے۔ اس لئے قرآن میں تفصیلی احکامات نہیں دیئے گئے بلکہ زیادہ تر احکام کے اصول بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اصولوں کی عملی تشکیل، تطبیق سے متعلق جو کچھ بھی کیا یا اس کے علاوہ پیغمبرانہ حیثیت سے آپ سے جو اقوال و افعال صادر ہوئے وہ بھی شریعت قرار پائے۔ اگرچہ یہی حقیقت کے اعتبار سے یہ دونوں ایک ہی ہیں لیکن قرآن کے شرعی احکام اور پیغمبر کے تطبیقی شرعی احکام کے درمیان امتیاز قائم رکھنے کے لئے ان کے لئے سنت کی اصطلاح وضع کی گئی۔ اس طرح اسلامی شریعت کے دو ماخذ قرآن و سنت قرار پائے۔

شرعی احکام کی بنیادی تقسیم

قرآن و سنت کے احکام کو یوں تو مختلف اعتبار سے مختلف خانوں میں بانٹا جا سکتا ہے لیکن مجموعی حیثیت سے انہیں تین خانے میں قائم کئے جا سکتے ہیں ایک قسم تو ان احکام کی ہے جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے شرعی احکام کو علم کلام یا علم توحید کہا جاتا ہے۔ دوسرے قسم کے شرعی احکام نفس کے تزکیہ و تطہیر، خاندان کی اصلاح و تربیت، اور اجتماعی تعلقات کی استواری اور ان عملی قدروں سے بحث کرتے ہیں جو کسی صالح معاشرہ کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ ایسے شرعی احکام کو اصطلاح کی زبان میں علم اخلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تیسرے قسم کے شرعی احکام وہ ہیں جو انسانی معاملات کی تنظیم و استواری سے متعلق ہوتے ہیں۔ ان ہی شرعی احکام کے علم کو علم فقہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

شرعی احکام کا بنیادی مقصد یا عدل کا قیام

قرآن و سنت کے شرعی احکام کا مقصد

بتاتا ہے کہ ان کا اصل مقصد عدل بین الناس کا قیام، حقوق و باہمی ضروریات میں توازن اور ایسا ماحول پیدا کرنا ہے جو افراط اور تفریط کی تمام خرابیوں سے پاک ہو اور ان کی بنیاد پر انسانی معاملات کی ایسی تنظیم عمل میں آئے کہ وسیع تر باہمی تعلقات امن و صلح اور محبت و یگانگت اور تعاون و ہمدردی کی اساس پر استوار ہوں جس کے قدرتی نتیجہ میں ایسا پر امن صالح معاشرہ وجود میں آسکے جس میں انسانیت و اخلاق کے معراج کمال تک اٹھنے کے تمام مواقع حاصل ہوں۔

عدل کا شرعی مفہوم

قرآن و سنت کے شرعی احکام کا بنیادی مقصد چونکہ عدل بین الناس کا قیام ہے اس لئے وہ انسانی معاملات کی تنظیم کے جو مستحکم و متوازن اصول پیش کرتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ عدل کے تقاضوں کا لازمی مظہر ہیں بلکہ اس کے تمام پہلوؤں پر پوری طرح حاوی ہونے کی وجہ سے عدل کا حقیقی معیار بھی ہیں۔ اسی لئے شریعت کی نگاہ میں حقیقی عدل صرف یہ ہے کہ معاملات و مسائل کے تمام شعبوں میں شریعت کے ان اصولوں کی ایسی پابندی کی جائے کہ جن بنیادی تصورات اور اغراض و مقاصد پر وہ اصول مبنی ہیں ان کے تقاضوں سے سر مو انحراف لازم نہ آئے۔

معاملات کے اقسام

جملہ انسانی اعمال کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک وہ اعمال جن سے تعلق باللہ کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔ دوسرے وہ جو باہمی انسانی تعلقات کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ پہلے کا تعلق حقوق اللہ سے ہوتا ہے جن کو عبادت کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے کا تعلق حقوق العباد سے ہوتا ہے جن کو معاملات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس طرح عبادات اور معاملات کے ذریعہ جملہ انسانی اعمال و معاملات کی دو شاہ سرخیاں قائم کی جا سکتی ہیں لیکن عبادات سے متعلق انسانی اعمال چونکہ کسی قدر مخصوص ہیں، اس لئے معاملات کے بارے میں بھی بقدر ضرورت تفصیل کافی ہو گی۔

جملہ انسانی معاملات کا اگر احاطہ کیا جائے تو ان کو چار خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) خاندان اور اس سے متعلق مسائل (۲) اموال و مبادلات (۳) عقوبات (۴) اجتماعی، داخلہ و خارجہ پالیسی۔

معاملات کی ان تمام قسموں کے احکام سے متعلق قرآن و سنت میں واضح اصول وارد ہیں تاکہ

ان اصولوں کی روشنی میں معاملات کی تمام قسموں کی جزئیات و فروعات کی ایسی محکم ضابطہ بندی کی جاتی ہے کہ شریعت کا مقصد عدل پورا ہوتا رہے۔ البتہ جو جزئیات بدلتی رہنے والی نہیں ان کے متعلق شریعت نے تفصیلات بھی منضبط کر دی ہیں جیسے کہ میراث وغیرہ سے متعلق احکام۔

معاملات کی ان چاروں قسموں سے متعلق تمام جزئیات و فروعات کے اندر شریعت کے احکام یا اس کے اصولوں کی پابندی ہی عدل کا حقیقی مصداق ہوگی۔

عدل و مصلحت کا باہمی تعلق

معاملات کی یہ عادلانہ تنظیم چونکہ جہ گیر و وسیع تر انسانی مصالح کی حفاظت اور ان کی متوازن و معتدل ضابطہ بندی پر مبنی ہوتی ہے اس لئے عدل و مصلحت کے درمیان کوئی تضاد و تنافر نہیں ہوتا بلکہ باہم گہرا ربط ہوتا ہے۔ اتنا گہرا ربط کہ ان دونوں کے مفہوم میں کوئی بنیادی امتیاز نہیں رہ جاتا۔ جو چیز عدل کا تقاضا بن کر ظاہر ہوتی ہے وہی مصلحت کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور جو چیز مصلحت کا تقاضا ہوتی ہے وہی عین عدل کا مقتضا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کسی موقع و مرحلے پر عدل و مصلحت کے درمیان ٹکراؤ نہیں ہوتا بلکہ دونوں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہو جاتے ہیں۔ کہیں عدل سے مصلحت کی تائید و تعیین ہوتی ہے تو کہیں مصلحت سے عدل کے تقاضوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے لیکن مصلحت خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی وہ عدل کی علامت اسی وقت قرار دی جا سکتی ہے جب کہ دین کے بنیادی تصورات، اس کے اغراض و مقاصد اور اصول و کلیات سے اس کا ثبوت یا اس کی تائید حاصل ہو رہی ہو۔

عدل کا مصداق ہونے کے اعتبار سے انسانی اعمال کی تقسیم

شریعت چونکہ ایک کامل ضابطۂ حیات کی نمائندگی کرتی ہے اس لئے زندگی کے تمام گوشوں کے باریک سے باریک جزئیے سے بھی بحث کرتی ہے اور اس کے بارے میں متعین رہنمائی دیتی ہے۔ اس لئے انسان کا کوئی فعل و عمل ایسا نہیں جو اس کی رہنمائی کے دائرے سے خارج ہو لیکن چونکہ شریعت انسان کے جملہ اعمال و افعال کو عدل کے اپنے سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہے اس لئے عدل کا مصداق ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے شریعت کے نزدیک ان کی مختلف نوعیتیں ہو جاتی ہیں۔ بعض اعمال شریعت کے منشاء عدل کے عین مطابق ہوتے ہیں اور بعض ایسے نہیں ہوتے، کچھ اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسرے سے

عدل کے تقاضوں ہی کے خلاف ہوتے ہیں۔ شریعت کی زبان میں پہلی قسم کے اعمال و افعال صحیح، دوسری قسم کے فاسد اور تیسری قسم کے اعمال باطل کہے جاتے ہیں۔

یہ تقسیم اعمال کے وجود و عدم یا ان کے معتبر و غیر معتبر ہونے کے اعتبار سے ہے۔ رہی اعمال کی یہ حیثیت کہ وہ عدل کے تقاضوں کو بروئے کار لانے کے سلسلے میں مثبت یا منفی کس طرح کا رول ادا کرتے ہیں اور معاشرے میں عدل کے قیام و بقا کے لئے ان کی ضرورت کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ تو اس حیثیت سے اعمال کی پانچ قسمیں ہوتی ہیں۔

کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کے بغیر کسی مستحکم معاشرے کا قیام اور عدل کے تقاضوں کی تکمیل ممکن ہی نہیں ہوتی اس لئے شریعت ایسے اعمال کو واجب قرار دیتی ہے جیسے بیوی کا نفقہ، باپ بیٹے پر ایک دوسرے کا وراثتی حق وغیرہ۔ اس کے برعکس جو اعمال ان تقاضوں کے منافی ہوتے ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے عدل کا قیام محال ہو جاتا ہے ان کو ممنوع و حرام قرار دیتی ہے۔

اسی طرح جو اعمال ان دونوں قسموں میں سے کسی کے معاون یا اس سے قریب تر ہوتے ہیں ان کو اسی قسم کے ساتھ ملحق کر کے وجوب یا ممانعت کا اس سے خفیف تر حکم لگاتی ہے۔ واجب کے معاون یا قریب تر ہوں تو مندوب اور حرام کے معاون یا اس سے قریب تر ہوں تو مکروہ قرار دیتی ہے۔ باقی جو اعمال ان میں سے کسی قسم کے ساتھ متعلق نہ ہوں ان کو مباح قرار دے کر ان کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار و اجازت دیتی ہے۔

اس طرح شرعی احکام کی پانچ قسمیں ہو جاتی ہیں: واجب، حرام، مکروہ، مندوب اور مباح۔

انسانی معاملات کے مختلف دائروں (خاندان، اموال و مبادلات، عقوبات اور دعوی و قضا وغیرہ) سے متعلق جملہ تفصیلات و جزئیات اور نئے نئے مسائل و واقعات کے اندر ان ہی پانچوں احکام کی مدلل ضابطہ بندی کا نام فقہ ہے۔ یہی عدل کی ضابطہ بندی ہے جو شریعت کے اغراض، اصول و کلیات اور اغراض و مقاصد کو سامنے رکھ کر کی گئی ہو۔ حتی کہ کسی معاملہ پر شرعی احکام کی کسی قسم کا اطلاق کرنے سے پہلے اس کی متعین دلیل پیش نظر ہو تاکہ عدل کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ضمانت فراہم ہو سکے۔ چنانچہ علماء اصول نے فقہ کی یہ تعریف کی ہے، "شریعت کے عملی احکام کا وہ علم جو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو۔"

احکام سے مراد احکام کی وہی پانچ قسمیں ہیں جو مذکور ہوئیں۔ تفصیلی دلائل سے حاصل کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے ہر حکم کی متعین دلیل معلوم ہو۔

یہاں اس امر کی صراحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ احکام کی ضابطہ بندی چونکہ غور و فکر اور بحث و نظر کے ذریعہ انجام پاتی ہے اور فکر و نظر کے مختلف زاویے ہوتے ہیں، اس لئے یہ ممکن ہی نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ ایک ہی معاملہ کے بارے میں مختلف زاویۂ فکر و نظر کے تحت مختلف و متعدد احکام سامنے آئیں۔ لہٰذا ایسے معاملات کے سلسلے میں شریعت منشا یہ ہوگا کہ ہر شخص اپنے زاویۂ فکر و نظر کے مطابق جس حکم کو مقاصد شریعت سے زیادہ قریب دیکھے اسی کو اختیار کرے تاکہ قلب و ضمیر کی پوری آمادگی اور صفائی و اطمینان کے ساتھ شریعت کی پیروی کر سکے۔ ایسے معاملہ میں کسی کو کسی ایک ہی رائے کی پیروی کا پابند قرار دینا منشاء شریعت کے حدود اور انصاف کے منافی رویہ ہوگا۔ جب علمائے اصول کہتے ہیں کہ ایسے احکام کا علم فقہ ظن پر مبنی ہوتا ہے تو ان کا بھی یہی مدعا ہوتا ہے کہ ایسے معاملات میں کسی ایک ہی حکم کی پیروی پر ہی تمام تر اعتماد کر لیا جائے اور نہ ہی اس کی پیروی کی تبلیغ کر کے دوسروں کے لئے فکر و نظر کی تمام راہیں بند کر دی جائیں۔ ظن پر مبنی قرار دینے کا راست تقاضا یہ ہے کہ جس کو اس کی صحت کا اطمینان و رجحان ہو وہ بخوشی اس کو اختیار کرے ورنہ اپنی راہ خود متعین کرے۔

گویا معنی کے اعتبار سے فقہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کی بنیاد یقین پر قائم ہوتی ہے۔ یہ ان احکام کا علم فقہ ہوگا جن کی صراحت قرآن و حدیث میں کر دی گئی ہے اس لئے ان میں اختلاف رائے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ دوسرا وہ علم فقہ جو ظن پر قائم ہو۔ یہ ان شرعی احکام کا فقہی علم ہوگا جن کی تعیین وضع بندی فکر و نظر یا اجتہاد کے ذریعہ کی گئی ہو۔

ایسے احکام کے اندر اختلاف رائے کی گنجائش ہے اور ہر اس شخص کو اس کا حق حاصل ہوگا جو علمائے اصول کے مقرر کئے ہوئے اصولوں کے مطابق بحث و نظر اور استنباط و استخراج پر قادر ہو۔ اس اعتبار سے نہ صرف یہ کہ کسی ایک شخص پر دوسرے کی رائے کی پابندی ضروری نہیں ہوگی بلکہ کسی عہد کے فکری نتائج کی کورانہ تقلید بھی مناسب نہیں ہوگی۔

(باقی آئندہ)

حلقۂ یاراں

عطا عابدی
صباح الدین ملک

محترمی! السلام علیکم

"حیات نو" برابر مل رہا ہے۔ اس عطا نوازی کا شکریہ قبول فرمائیں۔ انجمن طلبۂ قدیم کا چوتھا دو سالہ اجلاس، اس خط کے ملتے ملتے شروع ہو چکا ہوگا یا پھر بخیر و خوبی اختتام کو پہنچ چکا ہوگا۔ بہرحال اجلاس کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں۔ خدا کرے یہ اجلاس اپنے مقاصد میں کامیاب ہو اور مثالی ثابت ہو۔ اس موقع پر "حیات نو" کی پیش کش "اجلاس نمبر" کا اعلان پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ کم از کم اس طرح تو ضرور اجلاس میں شریک ہو سکوں گا۔ خواہش تھی کہ اجلاس میں شریک ہوؤں لیکن وقت و حالات اس خواہش کی تکمیل میں مانع ہیں۔

بہرکیف اجلاس نمبر میں شرکت کے لئے جناب ماہر القادری صاحب کی غزل پر تضمین ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے جاوس نظر کریں گے۔ نیز کسی عام شمارہ کے لئے ایک غزل بھی حاضر خدمت ہے۔

والسلام
عطا عابدی۔ ۴ فروری ۱۹۸۸ء

جناب مدیر حیات نو! سلام و تحیہ

دسمبر، جنوری اور فروری کے شمارے ایک ساتھ موصول ہوئے۔ دو مضامین خاص طور سے پسند آئے۔ ایک سورہ الحمد کا درس جسے عبد البر اثری متعلم جامعہ نے ترتیب دیا ہے۔ محترم مولانا امانت اللہ صاحب نے بعض ایسی گرہیں کھولی ہیں جو پہلے عام مترجمین کے ترجموں میں کھٹکا کرتی تھیں۔ دوسرا مضمون "صفات باری تعالیٰ پر ایک نظر" بہت خوب ہے۔ ماشاء اللہ۔

"مادہ پرستی اور اسلام" کا مضمون دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ اگرچہ مضمون میں کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے جو اس سے پہلے نظر نہ آئی ہو، تاہم ساتویں صدی سے متعلق قرآن کے حیات کے درس میں جو مواد لکھا ہوا تھا اسے نئی ترتیب اور زبان سے نوازنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک بات جو دوران مطالعہ تشنگی رہی وہ یہ کہ رحمانی صاحب کا اسلوب و بیان ہر وقت اس انداز کا بیان کا ساتھ نہیں دیتا۔ کاش اپنے بزرگوں پر تنقید کس احتیاط سے کیجئے۔ کاش وہ ان حضرات سے قائم رہتا کہ وہ اپنے کسی معاصر پر تنقید کرتے ہیں۔ اپنے بزرگوں پر بھی کر رہے ہیں کی بھی مثال مولانا ابوالکلام آزاد کے تذکرہ میں ملتی ہے۔

خدا کرے حیات نو ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے معیاری ہو۔ آمین۔

والسلام
صباح الدین ملک (شعبۂ ...) ۱۸ فروری ۸۸ء

رپورٹ: اجلاس شوریٰ انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح (بلریا گنج، اعظم گڑھ)

۱۵ فروری ۱۹۸۸ء کو بعد نماز فجر مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں نسیم غازی صاحب، رحمت الاثری صاحب، محمد عمران صاحب، انتصار احمد صاحب، نور محمد صاحب، خالد حامدی صاحب، مقبول احمد صاحب، معین ادریس صاحب، محمد عبد السلام صاحب اور جاوید اشرف شریک ہوئے۔ ابوالکلام صاحب، عبید اللہ فہد صاحب اور شبیر فلاحی صاحب بعض وجوہ سے شرکت نہ کر سکے۔ کارروائی کا آغاز رحمت الاثری صاحب کی تذکیر سے ہوا، حدیث جبرئیل کے جزو ما الاحسان ؟ کی روشنی میں انھوں نے اخلاص نیت کی دعوت دی۔ اس کے بعد درج ذیل امور طے پائے۔

۱۔ جاوید اشرف فلاحی (سابق سکریٹری) کو متفقہ طور سے انجمن کے سکریٹری کی حیثیت سے دوبارہ منتخب کیا گیا۔

۲۔ نور محمد فلاحی صاحب کو متفقہ طور سے انجمن کا خازن چنا گیا۔

۳۔ نور محمد صاحب کے خازن منتخب ہو جانے کے باعث ان کی جگہ پر محمد عبد السلام بستوی صاحب کو شوریٰ کا عارضی ممبر بنایا گیا۔

۴۔ یہ طے ہوا کہ "حیات نو" سے مدیر توقیر صاحب کا نام حذف کر دیا جائے کیونکہ وہ مستعفی ہو چکے ہیں اور فی الحال پرچہ پر صرف مدیر مسئول نور محمد فلاحی صاحب کا نام دیا جائے۔

۵۔ مجلہ حیات نو نیز انجمن کے ہمہ وقتی کارکن کی حیثیت سے دین اللہ سعیدی فلاحی کا تقرر کیا گیا۔

۶۔ کلیۃ البنات کی رہبری کے لئے انجمن فوراً ایک لائبریری کا نظم کرے۔

اس کے بعد دعا پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

جاوید اشرف فلاحی
سکریٹری انجمن

ابوالاعلیٰ کا نثری سرمایہ

پہلی کڑی

اس سلسلہ کا آغاز شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے ہوتا ہے۔ شاہ شہیدؒ نے اگرچہ اشعار بھی کہے ہیں لیکن اردو ادب میں ان کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ ان کا اصل کارنامہ رسالہ "تقویۃ الایمان" ہے جو ہمارے نزدیک جدید اردو نثر کی نقیب ہے۔ ان حالات میں جبکہ اہل مدرسہ و خانقاہ دین کو محض خشک اور حسن بیان سے عاری زبان میں پیش کر رہے تھے اور اہل میکدہ و شاہد اور فکر آوارہ کا اظہار حسن بیان سے آراستہ زبان میں کر رہے تھے، انھوں نے "تقویۃ الایمان" لکھی جو جدید اردو ادب کا سنگ میل ثابت ہوئی۔ وہ دور جو اس سے پہلے تقلید پرستی اور فکری جمود میں مبتلا تھی سے آزادئ نقطۂ نظر اور اجتہاد فکر کی صلاحیت بخشی۔ اس سے پہلے کی اردو تصانیف میں مصنف کے پیش نظر خرافات وقت کی جو پیروی رہی ہے اس سے پرہیز کر کے انھوں نے اردو ادب میں پہلی بار اظہار ذات کا دروازہ کھولا۔ یہی وجہ ہے کہ غالباً اس کتاب کی حمایت اور مخالفت میں آج تک جتنا تحریری سرمایہ اردو کے حصہ میں آیا ہے کسی اور کتاب کو میسر نہیں ہوا اور اس کو پڑھتے وقت خالص اعتقادی مسئلہ پر مصنف کی تحریر کی شگفتگی، روانی اور زور کا ایسا لطف آتا ہے جیسے یہ کوئی خشک مذہبی بحث نہیں بلکہ ایک رواں دواں مقرر کی تقریر ہے جو دل و دماغ کو متاثر اور روح کو لطف و لذت عطا کر رہی ہے۔

دوسری کڑی

سرسید کی تصنیفی زندگی کے اہم کارنامے، خطبات احمدیہ اور تفسیر قرآن ہیں۔ اگرچہ انھوں نے خالص مذہبی امور کے ساتھ معاشرتی، سیاسی اور علمی موضوعات پر بھی قلم اٹھایا اور بڑی حد تک بے مثال نثر لکھی لیکن ہمارے نزدیک انھیں کوئی خاص مرتبہ حاصل نہیں ہے۔

سرسید نے دراصل شاہ شہیدؒ کے کام کو آگے بڑھایا اور اردو ادب کو ایک نیا موڑ دیا یعنی

معلوم ہے کہ سرسید کو شاہ شہید کا وعظ اپنے بچپن میں سننے کا اتفاق ہوا تھا بلکہ ان کا خاندان بھی "شاہی خاندان" (ولی اللہی) کا معتقد تھا۔ اس لئے سرسید نے اپنی اصلاحی کوششوں میں ان سے خاصا استفادہ کیا۔ ان کی تحریر کی حد تک تقویۃ الایمان کا چربہ ہے۔ اگرچہ ان کے موضوعات ذرا مختلف ہیں۔ ان کے اسلوب تحریر میں زور، سادگی، جامعیت اور تاثیر اس درجہ کی ہے کہ ان کے اندازِ بیان کو ان کے مخالفین بھی اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان کی زبان بھی تلی، مختصر، جامع اور صاف ستھری ہے۔ انھوں نے زبان و ادب کا ایک نیا مرکز علی گڑھ قائم کیا جہاں ایک نیا، باوقار اور فکری ادب پیدا ہونا شروع ہوا۔

سرسید کے اسی کارنامے کی بنا پر ہم انھیں اس سلسلہ کی دوسری کڑی قرار دیتے ہیں۔

تیسری کڑی

حالی کو سرسید کا تکملہ یا ضمیمہ کہنا درست نہیں ہے۔ اردو ادب میں ان کا اپنا ایک مقام ہے، اپنی کارگزاری اور اپنا اسلوب ہے۔ نظم اور نثر دونوں میں ان کا جدا جدا کام ہے۔ حالی کے دینی مقالات اور "مقدمۂ حالی" ان کی اہم خدمات ہیں۔ ان کی نثر نگاری پر یقیناً سرسید کے اسلوب نگارش کا خاصا پرتو نظر آتا ہے۔ لیکن سرسید کے ہاں کسی حد تک پرانی زبان کے جو اثرات باقی رہ گئے تھے "نیز" "آوے، جاوے، کرکر" اور جملوں کی ساخت میں جو پرانی طرز کی تقدیم و تاخیر وغیرہ وہ بے تکلف لکھ جاتے تھے حالی کی زبان ان خامیوں سے پاک نظر آتی ہے۔ شاعری کی دنیا میں وہ اردو ادب کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے حسن بیان کے ساتھ حسن فکر کا بھی التزام کیا ہے۔ اس حیثیت سے ہم انھیں جدید شاعری کا نقیب قرار دیتے ہیں۔ ان کی شاعری حسن بیان اور حسن فکر کا سنگم ہے۔ انھوں نے اردو شاعری کو نئے قواعد کا پابند بنایا۔ شعر پرکھنے کے واضح اور معین معیار مقرر کئے اور ان کی تمام تر آوارہ خیالی شعر کے برخلاف شعر کو معاشرے کی شعوری ترجمانی کی دعوت دی۔ اس معاملہ میں ان کی مسدس ادب کے شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی غزلیں بھی پابند اخلاق اور شریفانہ وقار کی حامل ہیں۔ غزل جو اپنے خود معنی میں اور رائج اصطلاحی معنوں میں بے شک غیر اسلامی تصورات کی حامل رہی ہے اسے اسلامی مزاج دے دینا حالی کا کمال ہے۔ ان ہی عظیم الشان کارناموں کی بنا پر وہ ہمارے نزدیک اردو ادب کے سلسلۃ الذہب کی تیسری کڑی ہیں۔

چوتھی کڑی

حالی کے بعد دنیائے ادب اردو پر علامہ شبلی نعمانی نمودار ہوتے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں ایک طرف حسن فکر، تحقیق و کاوش، دقت نظر اور صحیح قوت فیصلہ جیسی خصوصیات

پائی جاتی ہیں اور دوسری طرف حسن بیان کی ساری خوبیاں موجود ہیں۔ انھوں نے تاریخ نگاری کا ایک بلند معیار قائم کیا اور تقریباً ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔ انھوں نے اپنے فکری کام کو جاری رکھنے کی غرض سے ایسے ادارے قائم کئے جو آج تک ان کی ڈالی ہوئی داغ بیل پر کام کر رہے ہیں۔ پھر انھوں نے تحریر کا وہ اسلوب ایجاد کیا جس میں سرسید کی سی قطعیت اور زور استدلال، حالی کی سی سادگی و روانی اور شاہ اسمٰعیل شہید کی سی گرم گفتاری بھی تھی اور خود ان کی اپنی شگفتگی، عالمانہ وقار اور بالغ نظری جسے عربیت کے ذوق نے جامع الکلم کی خصوصیات دے دی تھی۔

یہ وہ پہلے مورخ ہیں جنھیں محض حسن بیان کے پرستار ادبا بھی اپنی صف میں جگہ دینے پر مجبور ہوئے اور خوش قسمتی سے اس ہمہ گیر ادبی مقاطعہ LITERARY- EX-COMMUNI-CATION کی زد سے بچ نکلے جسے داعیان حق کے خلاف جاہلی ادبا نے اب تک اپنا شیوہ بنائے رکھا ہے۔ سیرۃ النبی، الفاروق اور الکلام ان کی نثر نگاری کا شاہکار اور ان کی زندگی کا عظیم کارنامہ ہے۔

پانچویں کڑی

علامہ اقبال کے اشعار اردو ادب میں شاعری کا کمال ہیں۔ حالی نے جس شاعری کی ابتدا کی تھی اقبال نے اسے معراج کمال تک پہنچایا۔ اقبال کا فکری رشتہ رومی اور برگساں سے جڑا ہوا نہیں ہے بلکہ درحقیقت اقبال کو اپنے ادبی اسلاف شاہ شہید، سرسید، حالی اور شبلی سے جو کچھ ملا اسی پر انھوں نے اپنی شاعری اور فکر کی عمارت اٹھائی۔ اقبال نے اگرچہ نثر میں بھی کچھ لکھا ہے لیکن وہ بنیادی طور پر ایک شاعر تھے۔ بانگ درا، ضرب کلیم اور بال جبریل ان کے اشعار کے وہ مجموعے ہیں جنھیں اردو ہی نہیں دنیا کے بڑے سے بڑے عظیم اور عالمگیر ادیبوں اور شاعروں کی تصانیف کے پہلو بہ پہلو رکھا جا سکتا ہے۔ وہ ایک عظیم داعی حق تھے۔ ان کے اشعار میں حسن بیان کی وہ تمام خوبیاں اور رعنائیاں پائی جاتی ہیں جو اردو زبان کے کسی قسم کے شاعر میں پائی جاتی ہیں۔

غالب، جسے ہم ادیب بلکہ اردو زبان کا ایک خوش کلام شاعر مانتے ہیں۔ اس کا حسن بیان بھی اقبال سے پھیکا ہے اور جہاں تک اقبال کے فکر کا تعلق ہے غالب اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ اقبال نے اردو شاعرانہ ادب کو جو انقلابی موڑ دیا ہے اور اسے جو بلند معیار عطا کیا ہے اب اس سے آگے جانے کے آثار ہیں اور نہ گنجائش۔

شاہ اسمٰعیل شہید، سرسید، حالی اور شبلی کے ادب نے مسلمانانِ ہند کو جو ملی شعور عطا کیا تھا اس کی بنا پر حالات تقاضا کر رہے تھے کہ ایک ذہین فلسفی، ایک اسلامی مفکر اور صاحبِ دل مزاج شناسِ ملت پیدا ہو۔ اقبال نے واقعی یہ ضرورت پوری کی۔ ان کے ابتدائی کلام سے آخر تک کی شاعری میں ان کے ارتقائے تفکر کا اگر جائزہ لیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو محض نام کا مسلمان سمجھنے کے بجائے "حقائقِ ابدی کا احساس" یاد دلانا اور وقت کے تازہ خداؤں، قومیت اور وطنیت کی پرستش سے باز رکھنے کی کوشش کرنا اور اس کے بجائے "حرم کی پاسبانی" پر اکسانا اقبال نے پورے دانشورانہ اور فلسفیانہ سلسلۂ استدلال کے ذریعہ حق گوئی کا اپنا مشن بنایا تھا۔ ان کی بدولت ادب میں خیالات کی جو نئی انقلابی رو دوڑی ہوئی وہ صحیح معنوں میں سرسید تحریک کو نیا موڑ دکھانے والی ثابت ہوئی۔ اقبال کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ہندی مسلمانوں کو قومیت کے تنگ دائرے سے نکال کر اسلامی ملت کا جزو ہونے کا احساس دلایا اور جاہلی تصوف، غلامی، جمود و بے عملی اور بے یقینی کے دلدل سے نکالا۔

اقبال کو اس کے فکر، خود اعتمادی اور یقین و عمل کی بدولت اب تک محض مستقبل کا شاعر قرار دیا جاتا رہا ہے۔ غور سے دیکھئے تو اب وہ مستقبل قریب آ گیا ہے۔ اب وہ وقت آ رہا ہے کہ جب ہم اسے حال کا شاعر بنا دیں گے۔ وقت آواز دے رہا ہے کہ اس کل کے شاعر کو آج کا شاعر بنا دیا جائے۔ اسے اسلامی انقلاب کی علامت SYMBOL قرار دیا جائے۔

چھٹی کڑی

اردو ادب کے سلسلۃ الذہب کی چھٹی کڑی مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔ لیکن ان کی زندگی کا افسوسناک المیہ یہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے مرحوم ہو گئے۔

بہر حال ہم جس ابوالکلام کو صاحبِ طرز ادیب کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں وہ دراصل کانگریسی ابوالکلام نہیں بلکہ وہ جو "الہلال" اور "البلاغ" کے دینی مقالات "تذکرہ" اور "ترجمان القرآن" کا مصنف ہے۔ یہ وہ ابوالکلام ہے جس نے انڈین نیشنل کانگریس میں داخل ہونے سے پہلے دینی صدا بلند کی تھی جس کی طرف اقبال اور مودودی نے رہنمائی کی۔ یہ واقعہ ہے کہ اقبال اور ابوالکلام اپنے زمانے کے دماغ تھے۔ ابوالکلام کا ادب حسنِ فکر اور حسنِ بیان کا بہترین امتزاج ہے۔ یہ ادب عقل سے زیادہ جذبات کو جھنجھوڑتا ہے۔ انھوں نے اپنے پیش روؤں کے اسالیب بیان سے

تمام خوبیاں لے کر ادب کو ایک نیا رنگ، نئی لطافت، نیا شکوہ اور نئی شان و شوکت دی۔ ان کے ادب کی امتیازی خصوصیت عربیت اور بلند آہنگی، خطابت اور رومانیت ہے۔ وہ جذبات سے دلیل کا کام لیتے ہیں اور قاری کو اپنے الفاظ اور حسنِ بیان سے مسحور کر دیتے ہیں۔ جب قاری ان کے مضامین پڑھنا شروع کرتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی تیز بہتے ہوئے دریا میں اتر چکا ہے اور الفاظ کا سیلاب اسے بہائے لیے جا رہا ہے۔ ان کا کمال یہ ہے کہ جذبات کو دلائل میں ڈھال دیتے ہیں اور معقول دلائل کو جذبات میں بدل دیتے ہیں۔

ان کے ہاں عربی الفاظ کے استعمال کی کثرت ہے جس کی وجہ سے عبارتیں کچھ بھاری اور بوجھل ہو جاتی ہیں تاہم وہ اس میں بھی حسنِ بیان کا جوہر دکھاتے ہیں۔ انھوں نے اردو نثر نگاری کو نیا اسلوبِ آہنگ عطا کیا لیکن اس طرزِ نگارش کو دوسرے ادیب نہیں نباہ سکے اور مولانا آزاد کے ساتھ ہی یہ منفرد اسلوب بھی دوسرے اسالیب میں دب کر رہ گیا۔ انھوں نے اردو ادب میں خطابت کی صنعت کو جو عروج عطا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے ابتدائی ادب میں دعوت الی اللہ اور رجوع الی اللہ کی جو آواز بلند ہوئی تھی اس نے ہندوستان میں تحریک اسلامی کے لئے ایک ذہنی فضا تیار کیا۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ان کے ادب کا شاہکار ہے۔ ان ہی وجوہ سے ہم انھیں اردو ادب کے اساطین میں ایک صاحبِ طرز و فکر ادیب کا مقام دیتے ہیں۔

آخری کڑی

بلند ترین ادب کا الٰہی پیمانہ ہے: ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین۔ ادیب فکری طور پر داعیِ حق ہو عملاً اسی دعوت کا پابند ہو اور زمانے کی ہزار باطل قوتوں کے باوجود دنیا کو یہ بتا دے کہ میں مسلمان ہوں۔

مولانا مودودی صحیح معنوں میں حق کے داعی اور اسی پیکار جہد تھے اور اسی کے لئے جینے اور مرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ چودھویں صدی ہجری میں تجدید و احیائے دین کا عظیم کارنامہ تاریخ کا وہ کارنامہ ہے جس نے انھیں "چودھویں صدی کا مجدد" کے عظیم لقب سے نوازا ہے۔ "حکومت الٰہیہ" اور "اسلامی نظام" کو دنیا کا بلند ترین اور عظیم الشان تصور ان کی زندگی کا ماحصل ہے۔ ان کا نعرۂ زندگی یہ ہے کہ "اسلام ایک حرکت اور انقلاب ہے" یہ نعرہ ان کی پیشانی پر نقش ہو گیا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کا

مقصد زندگی بن گیا ہے اور مسلم نوجوان کی دل کی دھڑکن ہو گیا ہے۔ اسی لئے ہم انھیں انقلاب اسلامی کا قائد اور رہنما مانتے ہیں اور اقبال کے ساتھ انھیں بھی اسلامی انقلاب کی علامت قرار دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ پندرہویں صدی ہجری اقبالؒ اور مودودیؒ کے خوابوں کی تعبیر ہوگی، اسلام کی صدی ہوگی۔

ابوالاعلیٰؒ اردو ادب ہی کے نہیں بلکہ عالمی ادب کے سلسلۃ الذہب کی ایک تابناک کڑی ہیں۔ ان کا ادب اہل زمین کے معیار ادب پر نہیں آسمانی معیار پر پورا اترتا ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے ادبی پیمانے ان کے ادب کی قدر وقیمت کو ناپنے سے قاصر ہیں۔ یہ ادب تو خدائی پیمانہ پر پورا اترتا ہے اس لئے ہم انھیں چودہویں صدی کا عظیم ادیب قرار دیتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ کا ادب اردو نثر نگاری کا عظیم ترین شاہکار ہے۔ آیئے حقائق کی دنیا میں اتر کر دیکھیں کہ یہ دعوے کہاں تک صداقت رکھتے ہیں۔ یہ کہاں تک صحیح ہے کہ ابوالاعلیٰؒ نے اردو ادب کے گزشتہ اسالیب کی تمام خوبیوں کو اپنے ادب میں سمویا ہے اور اپنے بلند فکر اور عظیم شخصیت کے ذریعہ اسے معراج کمال تک پہنچا دیا۔

یہ واقعہ ہے کہ علماء وصوفیاء نے نثر اردو کو زبان عطا کیا۔ شاہ شہیدؒ نے اسے ذہن بخشا، سرسیدؒ نے اسے عقل دی، شبلیؒ نے اس عقل کو حسن ذوق سے نوازا۔ ابوالکلامؒ نے اس میں جذبات بھر دیے اور بالآخر مودودیؒ نے ان سب کو لے کر اپنی نثر میں اس طرح مرج کر دیا کہ وہ اردو نثر کی اعلیٰ شاہکار، مکمل نمونہ اور آخری معیار بن گئی۔ ابوالاعلیٰؒ نے مذہبی اور صحافتی ادب سے صحت زبان، فصاحت وبلاغت، طنز وتعریض، ادبی چوٹیں اور تشبیہ وتمثیل کے اجزاء لئے۔ شاہ شہیدؒ سے انفرادیت اور اجتہاد فکر کی روح لی، سرسیدؒ کے ادب کی سادگی، اختصار، جامعیت، قطعیت، وجاہت اور کسی حد تک انگریزیت لی۔ شبلیؒ کے ادب سے کسی حد تک رنگینی وشیرینی اور فارسیت وعربیت کے جاندار اجزاء لئے اور مولانا آزادؒ کی نثری روایت سے خطابت اور بلند آہنگی کا ہلکا سا اثر لے لیا۔ پھر ان سب کے امتزاج سے جو نثری اسلوب بنا وہ اپنی مثال آپ ہو گیا۔ انھوں نے جب زندگی کے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا تو ہر جگہ اپنی انفرادیت کا لوہا منوایا۔ چنانچہ جب وہ فلسفۂ اسلام پیش کرتے ہیں تو اسے پڑھ کر افسانے کی سی لطافت حاصل ہوتی ہے۔ سیاسی موضوعات پر بحث کرتے ہیں تو کہانی کا لطف آتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے پر ابھارتے ہیں تو اسے دلکش نظم کی طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ غرض وہ جو بات بھی لکھتے ہیں اس میں ادبی خوبیاں اور ادبی رعنائی سمائی ہوئی ہوتی ہیں۔

ان کی زبان عہد حاضر کی بے تکلف اور رواں زبان ہے جسے مقامی محاوروں اور اصطلاحوں سے دلکشی مستعار لینے کی ضرورت نہیں۔ ان کے افکار دینی ہیں لیکن دینی مکاتب فکر کی روایتی مصطلحات سے پاک عبارت میں بیان ہوتے ہیں۔ ان کا اسلوب متین وباوقار ہے مگر مولویانہ گراں بار اور پرتکلف طرز اظہار کا اس میں دخل نہیں۔

مختصر یہ کہ انھوں نے اردو اسالیب کی ساری روایتوں سے استفادہ کیا۔ بنیادی طور پر ان کا اسلوب سرسید اور شبلی کی نثری روایت کا جامع ہے۔ پرانی دینی روایت میں سے انھوں نے تشبیہ وتمثیل کو اپنے اسلوب میں نمایاں مقام دیا اور طریق استدلال میں تنوع کے ساتھ تحریر میں تازگی اور شگفتگی کا عنصر کہیں مدھم نہیں ہونے دیا۔ ان کی تحریر میں شبلی کی رنگینی کا محض عکس ہے البتہ فکری نظم وضبط کے ساتھ غیر معمولی حسن پیدا ہو گیا ہے۔ ابوالکلامؒ کی خطابت صرف تخاطب کا رنگ لئے ہوئے ہے اس طرح اردو نثر کی ساری خوبیاں ان کے ہاں جمع ہو گئی ہیں۔ آیئے اب دیکھیں کہ ابوالاعلیٰؒ کی نثر کی وہ امتیازی خصوصیات کیا ہیں جنھوں نے ان کی تحریروں کو ایک نئی شان، نیا شکوہ، نئی وجاہت نئی سطوت، نئی شوکت اور نئی ثروت عطا کی۔۔۔

(باقی آئندہ)

فارم ۴

ماہنامہ مجلہ حیات نو

مقام اشاعت: بلریا گنج، اعظم گڑھ

وقفۂ اشاعت: ماہنامہ

مالک: انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

پرنٹر وپبلشر: نور محمد، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

ایڈیٹر: نور محمد، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

میں نور محمد پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا وضاحتیں میرے علم واطلاع کے مطابق صحیح ہیں۔

نور محمد

ولی اللہ سعیدی فلاحی

جامعہ کے لیل ونہار

جناب ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صاحب اعظمی کا طلبہ سے خطاب

جناب ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صاحب اعظمی ۸ فروری ۸۸ء کو جامعہ تشریف لائے۔ گرچہ آپ کا یہ دورہ نہایت مختصر تھا پھر بھی آپ نے اپنے چند قیمتی لمحات سے طلبہ کو استفادہ کا موقع دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اس موقع سے ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا تھا جس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کے بعد صدر محترم جناب مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی نے آپ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: "ہمیں انتہائی مسرت ہے کہ آپ ایک عرصے کے بعد یہاں تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات سے کون بچہ ہے جو ناواقف ہو۔ اس وقت آپ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہیں اور وہیں جامعہ اسلامیہ میں استاذ حدیث ہیں۔ آپ نے ملک کی مشہور درس گاہوں اور شخصیات سے استفادہ کے بعد حجاز کا رخ کیا وہاں علم کی تکمیل فرمائی اور پھر آپ نے جامعہ ازہر سے ڈاکٹریٹ کیا۔ آپ متعدد اہم کتابوں کے مصنف ہیں آپ صاحب طرز ادیب ہیں اور اس سے پہلے بھی موصوف کا لکچر یہاں ہو چکا ہے اور جب بھی آپ تشریف لاتے رہے ہیں اپنے افکار سے استفادہ کا موقع عطا کرتے رہے ہیں۔ اس بار آپ کا یہ دورہ بہت مختصر سا تھا لیکن ہم ممنون ہیں موصوف کے کہ انھوں نے اپنے اس مختصر وقفہ قیام میں ہمارے لئے بھی چند ساعتیں مختص کر دیں۔"

چونکہ موصوف کا موضوع علم حدیث رہا ہے اسلئے جب بھی آپ یہاں تشریف لاتے ہیں عموماً اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہیں۔ اس بار بھی آپ نے علم حدیث ہی پر گفتگو کی۔

انجمن طلبۂ قدیم کا چوتھا دوسالہ اجلاس

انجمن طلبۂ قدیم کا چوتھا دوسالہ اجلاس ۱۲، ۱۳، ۱۴ فروری ۱۹۸۸ء کو مادر علمی جامعۃ الفلاح میں منعقد ہوا۔ ماشاء اللہ فلاحی برادران کی ایک کثیر تعداد نے اجلاس میں شرکت کی۔ جامعہ کے قرب و جوار کے افراد کی ایک بڑی تعداد بھی شریک اجلاس رہی۔

۱۲ فروری ۸۸ء کو بعد نماز جمعہ پہلی نشست کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت قرآن اور ترانۂ جامعہ کے بعد صدر جامعہ جناب مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی نے افتتاحی کلمات سے اجلاس کا آغاز فرمایا۔ اس کے بعد انصار احمد صاحب فلاحی ناظم اجلاس نے "خطبۂ استقبالیہ" نسیم غازی صاحب فلاحی نے "خطبۂ صدارت" اور جاوید اشرف صاحب فلاحی نے "روداد انجمن" پیش فرمائی۔ خطبات کے بعد فارغین جامعہ کے باہمی تعارف کا پروگرام شروع ہوا۔ یہ پروگرام بعد نماز عصر بھی جاری رہا۔

دوسری نشست بعد نماز عشاء منعقد ہوئی۔ "دینی تعلیم کی اہمیت و ضرورت" کے عنوان پر جناب مولانا محمد طاہر عمری صاحب مدنی اور "ملک کے موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں" کے عنوان پر جناب مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی نے خطاب فرمایا۔

۱۳ فروری ۸۸ء کو بعد نماز فجر تیسری نشست منعقد ہوئی۔ جناب مولانا محمد عزیر صاحب الظاہری صاحب نے درس قرآن دیا۔

چوتھی اور پانچویں نشستیں وقفۂ طعام و صلوٰۃ کے ساتھ ۳۰-۸ تا ۱---- اذان عصر جاری رہیں۔ یہ دونوں نشستیں فارغین جامعہ کے لئے مخصوص تھیں۔

۱۴ فروری ۸۸ء کو بعد نماز فجر ساتویں نشست شروع ہوئی۔ جناب مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی نے درس حدیث دیا۔

آٹھویں نشست سیمینار پر مشتمل تھی۔ یہ نشست وقفۂ طعام و صلوٰۃ کے ساتھ ۳۰-۸ سے لیکر شام کے تقریباً پونے پانچ بجے تک جاری رہی۔

نویں نشست بعد نماز عشاء رکھی گئی۔ یہ نشست بھی فارغین جامعہ کے لئے خاص تھی۔

میقات رواں کے لئے شوریٰ اور ذمہ داران کا انتخاب

درج ذیل افراد ممبران شوریٰ اور ذمہ داران کی حیثیت سے منتخب ہوئے۔

۱۔ نسیم احمد غازی فلاحی صاحب	صدر انجمن	چتیلی قبر دہلی
۲۔ جاوید اشرف فلاحی صاحب	سکریٹری انجمن	جامعۃ الفلاح
۳۔ نور محمد فلاحی صاحب	خازن انجمن	جامعۃ الفلاح

۴۔ ابوالمکارم فلاحی صاحب — رکن شوریٰ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ

۵۔ رحمت اللہ الاثری فلاحی صاحب — " دارالحدیث جامعہ اثریہ مئو

۶۔ محمد عمران فلاحی — " " جامعۃ الفلاح

۷۔ انصار احمد فلاحی — " " بلریا گنج

۸۔ شبیر احمد فلاحی — " " دہلی

۹۔ خالد حامدی فلاحی — " " جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

۱۰۔ مقبول احمد فلاحی — " " بریلی

۱۱۔ عبید اللہ فہد فلاحی — " " مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

۱۲۔ معین الدین فلاحی — " " جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

۱۳۔ محمد عبد السلام فلاحی صاحب بستوی — " (خارجی) مرکز کالج و اسلامی رہبری

جامعہ میں امتحانات

سالانہ امتحان کا وقت آچکا ہے، ماشاء اللہ طلبہ امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہو چکے ہیں۔ ۲۴ مارچ ۱۹۸۸ء کو اسباق بند ہوں گے۔ ۲۶ مارچ ۱۹۸۸ء کو امتحانات کا آغاز ہوگا اور ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ مع نسواں کا آخری پرچہ ۷ اپریل ۱۹۸۸ء کو ہوگا جس کے فوراً بعد طلبہ اپنے گھروں کو جا سکیں گے۔

صدر جامعہ دورے پر

صدر جامعہ مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی کی قیادت میں ایک وفد بمبئی کے دورے پر گیا ہوا ہے۔ اس وفد میں صدر جامعہ کے علاوہ مولانا نور محمد فلاحی صاحب اور قاری محمد قربان صاحب شامل ہیں۔ یہ دورہ جامعہ کے تعارف اور اس کی تعمیر و ترقی کے پیش نظر ہے۔ انشاء اللہ یہ وفد ۱۱ مارچ ۱۹۸۸ء کو واپس لوٹے گا۔ صدر جامعہ کی عدم موجودگی میں جناب مولانا ابوبکر اصلاحی صاحب صدارتی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

جمعیۃ الطلبہ کے سالانہ انعامی مقابلے

جمعیۃ الطلبہ کے سالانہ انعامی مقابلوں کا سلسلہ ۳۰ جولائی ۸۷ء سے ہی شروع ہو چکا ہے۔ ۳۰ جولائی ۱۹۸۷ء کو تقریری مقابلے اور ۱۷ ستمبر کو تحریری مقابلے ہوئے تھے جن کی تفصیل مجلہ "حیات نو" شمارہ اکتوبر ۱۹۸۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

بقیہ مقابلوں کا آغاز ۱۸ فروری ۱۹۸۸ء سے ہوا۔ ان مقابلوں میں قرأت، عربی و انگریزی و اردو میں تقاریر، جنرل نالج اور بیت بازی کے مقابلے شامل ہیں۔ مقابلوں اور ان کے نتائج کی تفصیل یوں ہے:

قرأت: گروپ I عربی پنجم تا ہفتم۔ اول: شمیم اختر، دوم: محمد عثمان، محی الدین۔ سوم: محمد سعد نیپالی۔

" گروپ II۔ عربی اول تا سوم۔ اول: عبد الرحمن۔ دوم: سراج الدین، صداقت حسین۔

" سوم: نبیل احسن، شمس عالم۔

" گروپ III۔ ثانوی و حفظ۔ اول: توحید احمد۔ دوم: سعت اللہ مجاہد۔ سوم: اکرام الرحمن۔

تقریری مقابلہ عربی:

گروپ I عربی پنجم تا ہفتم۔ اول: شفیق احمد، دوم: عبد الاول

سوم: ذوالفقار علی

گروپ II — عربی سوم و چہارم۔ اول: عبد المالک

دوم: راشد رافع، سوم: ذوالفقار کرامی

گروپ III — عربی اول و دوم۔ اول: شمشاد حسین

دوم: عارف حسین، عبد العلیم، نظام الدین سوم: مجاہد حسین

تقریری مقابلہ انگریزی:

گروپ I — عربی پنجم تا ہفتم۔ اول: محمد عمر

دوم: عبد الکریم سوم: محمد اسمٰعیل

گروپ II عربی سوم و چہارم۔ اول: یٰسین پٹیل

دوم: موسیٰ کلیم سوم: ذوالفقار کرامی

گروپ III عربی اول و دوم۔ اول: غلام نبی کشمیری

دوم: زرتاج احمد سوم: نظام الدین

تقریری مقابلہ اردو: گروپ I۔ درجہ ہفتم و ششم ثانوی مع درجہ حفظ۔ اول: عبد السلام

" " " دوم: محمد عمر، سراج الدین۔ سوم: غفران اختر۔

" گروپ II۔ درجہ ششم ثانوی مع درجہ حفظ۔ اول: محمد آصف۔ دوم: خورشید عالم۔ سوم: کفیل الرحمن۔

جنرل نالج: گروپ I۔ درجہ ہفتم و ہشتم ثانوی۔ اول: عبد الحق۔ دوم: جنید احمد۔ سوم: سراج الدین۔

" گروپ II۔ درجہ ششم۔ اول: شکیل احمد۔ دوم: نوشاد عالم۔ سوم: کفیل الرحمن۔

بیت بازی: گروپ I۔ درجہ پنجم ابتدائی۔ اول: عبد الرحمن۔ دوم: محمد راشد۔ سوم: اصغر علی۔

" گروپ II۔ درجہ سوم و چہارم ابتدائی۔ اول: عبد اللہ بلال۔ دوم: ابو اللیث۔ سوم: اسعد حسین

خصوصی انعام نیاز احمد درجہ ہفتم۔

اعلان داخلہ

مدرسہ مصباح العلوم چوکنیا، بستی، یوپی

مدرسہ مصباح العلوم چوکنیا ایک دینی و عصری علوم کا مرکز نیز قابل اعتماد تربیتی درسگاہ ہے جہاں ابتدائی، ثانوی و اعلیٰ (اول تا عربی سوم) تک تعلیم دی جاتی ہے۔ اس وقت دار الاقامہ میں مقامی و بیرونی کل ایک سو طلبا تعلیم و تربیت سے مستفید ہو رہے ہیں۔ ۱۸ ارکان اسٹاف میں ۱۳ اساتذہ، ۵ کارکنان و ملازمین مصروف ہیں۔ مدرسے نے تعلیمی تعمیری و تربیتی امور میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا ہے۔ جامعۃ الفلاح بلریا گنج نے اپنے پرچوں کے ذریعہ جانچ کر کے ملحق کے زیر نگرانی پنجم درجہ ملانے کی منظوری دے کر کے مزید تعلیمی [illegible] استحکام بخشا ہے۔ مدرسے میں جونیر و اعلیٰ درجات میں وظائف دیئے جاتے ہیں جس کے متعلق جانکاری کیلئے داخلہ فارم و وظیفہ فارم طلب فرمائیں۔ داخلہ کی درخواست ۲۰ رمضان تک مدرسہ کے مطبوعہ فارم پر آجانی چاہئے۔ سالانہ امتحان ۱۵ مارچ تا ۱۰ اپریل ۲۰۰۸ء ہوگا۔ طلبا اسی دن گھروں کو روانہ ہوں گے۔

دوبارہ مدرسہ بعد رمضان ۱۰ شوال کو جاری ہوگا

صدر مدرس: مشتاق احمد فلاحی ایم اے

پتہ: ناظم مدرسہ مصباح العلوم چوکنیا پوسٹ بھارت بھاری ضلع بستی، یوپی